ماہنامہ

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Registered No. CPL-13

(قیمت 10 روپے)

جلد نمبر 28 ...... شمارہ نمبر 11...... نومبر 2021

بشکریہ: سزائے موت کے خلاف عالمی محاذ

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1	تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔
دفعہ -2	ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلٰی کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔
دفعہ - 3	ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 4	کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔
دفعہ - 5	کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔
دفعہ - 6	ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔
دفعہ - 7	قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔
دفعہ - 8	ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔
دفعہ - 9	کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 10	ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔
دفعہ - 11	(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔ (2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔
دفعہ - 12	کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 13	(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔
دفعہ - 14	(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ (2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔
دفعہ - 15	(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔
دفعہ - 16	(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ (2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔ (3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔
دفعہ - 17	(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 18	ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19	ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔
دفعہ - 20	(1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔
دفعہ - 21	(۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔ (3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔
دفعہ - 22	معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور تقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشونما کے لیے لازم ہیں۔
دفعہ - 23	(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ (3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔ (4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔
دفعہ - 24	ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔
دفعہ - 25	(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔ (2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔
دفعہ - 26	(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ (2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔ (3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔
دفعہ - 27	(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ (2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں
دفعہ - 28	ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔
دفعہ - 29	(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔ (2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔ (3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔
دفعہ - 30	اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

فہرست

پریس ریلیزیں	3
پاکستان میں پھانسی پر پابندی کا دوبارہ اطلاق کیا جائے	5
ذہنی بیماری اور جسمانی معذوریاں اور سزائے موت کا غیر منصفانہ نظام	7
کیا پھانسی کی سزا جرائم کو روکتی ہے	15
موجودہ حکومت میڈیا سے کیوں خوفزدہ ہے؟	16
پانی کی عدم دستیابی سے متاثر لنڈی کوتل کی خواتین	17
مزدوروں کا احتجاج	18
انسانی حقوق کے علمبرداروں کو تحفظ فراہم کیا جائے	19
بچیاں تعلیم سے محروم	22

ایچ آر سی پی کونسل رکن اور محنت کشوں کے حقوق کے کارکن زمان خان وفات پا گئے ہیں

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) ادارے کی موجودہ انتظامی کونسل کے سینئر رکن زمان خان کی وفات پر شدید غمزدہ ہے جو آج فیصل آباد میں ہمیں داغِ مفارقت دے گئے ہیں۔ محترم خان ایچ آر سی پی کے بانیان میں شامل تھے اور ادارے کی پہلی کونسل کے رکن تھے۔ بعدازاں، وہ لگ بھگ دو عشروں تک ایچ آر سی پی کے مرکزِ شکایات کے سربراہ رہے اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے متاثرین کو قانونی امداد اور حفاظتی خدمات تک رسائی دینے میں مدد دیتے رہے۔

اپنے زمانہ طالبعلمی سے انسانی حقوق کے پُرعزم دفاع کار ہونے کے ساتھ ساتھ محترم خان ٹریڈ یونین رہنما، سیاسی کارکن اور دانشور بھی تھے۔ محنت کشوں کے حقوق سے دِلی لگاؤ کی وجہ سے وہ طویل عرصہ تک مزدور کسان پارٹی کے ساتھ وابستہ رہے، جس دوران اُنہوں نے محنت کشوں کی تحریک اور اُس تحریک کے کئی قائدین کی جدوجہد کو بڑے منفرد انداز میں قلمبند کیا۔

پاکستان-انڈیا پیپلز فورم فار پیس اینڈ ڈیموکریسی اور ساؤتھ ایشینز فار ہیومن رائٹس کے بانی رکن کی حیثیت سے وہ ہندوستان اور پاکستان کے مابین پرامن تعلقات کے حامی رہے۔ وہ ایک ممتاز مصنف اور صحافی بھی تھے جنہوں نے دی مسلم اور فرنٹیئر پوسٹ کے بیورو چیف کی حیثیت سے کام کیا اور سزائے موت سے لے کر پنجابی لوک داستانیں اور ادبی تحریریں رقم کیں۔

زمان خان کو ایچ آر سی پی میں اُن کے ساتھی اور دوست اور پورے جنوبی ایشیا کے ترقی پسند حلقے ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 16 اکتوبر 2021]

سزائے موت پر پابندی بحال کی جائے

سزائے موت کے خلاف عالمی دن کے موقع پر، ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) ریاست سے پرزور مطالبہ کیا ہے کہ وہ سزائے موت پر پابندی بحال کرے اور فوجداری تحقیقات کے نظام میں بہتری پر توجہ مرکوز کرے اور اس مقصد کے لیے جیل میں وسیع تر اصلاحات متعارف کروائے تاکہ وہاں بند قیدیوں جن کی نگہداشت ریاست کی ذمہ داری ہے، کے بنیادی حقوق محفوظ ہو سکیں۔

ایچ آر سی پی اس تاریخی دن کے موقع پر سزائے موت پر اپنا مؤقف دہرانا چاہتا ہے: ریاست کا فریضہ زندگی کو محفوظ کرنا ہے، اسے ختم کرنا نہیں، اور یہ کہ عملی اعتبار سے دیکھا جائے تو اِس امر کے سائنسی شواہد موجود نہیں کہ سزائے موت جرائم میں کمی کا سبب بنتی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ غیر تسلی بخش عدالتی نظام میں سزائے موت کے اطلاق کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔ نہ صرف غریب اور وسائل سے محروم لوگ پھانسی چڑھنے کے خطرے سے دوچار ہوتے ہیں بلکہ سزائے موت کے حامی نظاموں میں بچے اور ذہنی معذور لوگ بھی اس کا نشانہ بن سکتے ہیں۔

یہ حقیقت قابلِ ذکر ہے کہ ایچ آر سی پی کی رپورٹس کے مطابق، ریاست نے 2020 کے دوران کسی فرد کو پھانسی نہیں دی اور ایسے کیسز بھی کم ہوئے ہے جن میں سزائے موت سنائی گئی تھی۔ 2019 میں 578 قیدیوں کو سزائے موت سنائی گئی تھی جبکہ 2020 میں یہ تعداد 177 تھی۔ اس کے علاوہ، فروری میں عدالتِ عظمیٰ کا یہ فیصلہ خوش آئند پیش رفت ہے کہ سنگین ذہنی بیماریوں میں مبتلا قیدیوں کو پھانسی نہیں دی جا سکتی۔ ایچ آر سی پی کا مطالبہ ہے کہ ریاست اس پیش رفت کے بعد پہلے قدم کے طور پر سزائے موت والے جرائم جن میں سے زیادہ تر عالمی قانون کی رُو سے، 'انتہائی سنگین' جرائم کی تعریف پر پورا نہیں اترتے، کی تعداد (جو فی الوقت 33 ہے) پر نظرِ ثانی کرے اور تسلیم کرے کہ انسانی حقوق کے ضمن میں اُس کی عالمی ذمہ داریاں اُسے کسی بھی قسم کے حالات میں موت کے سزا کے استعمال کی اجازت نہیں دیتیں۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 10 اکتوبر 2021]

پسے ہوئے موسمی مزدوروں کے لیے شہریتی دستاویزات کی شرائط وضوابط میں نرمی برتی جائے

شہریتی دستاویزات پر خانہ بدوش مزدوروں کے حق کے موضوع پر آج پالیسی سازی سے متعلق ایک مشاورت میں، ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) نے کراچی اوراس کے گردونواح میں کام کرنے والے موسمی مزدوروں کو شہریت کے حصول میں درپیش مشکلات سے متعلق ایک تحقیق کے بنیادی نتائج پیش کیے ہیں۔

تحقیق سے ظاہر ہوا ہے کہ ایسی برادریوں کی عورتوں کو اکثر یہ حق دینے سے انکار کیا جاتا ہے کیونکہ اُن کے لیے کمپیوٹرائزڈ قومی شناختی کارڈز (سی این آئی سیز) اہم تصور نہیں کیے جاتے جو کہ حقیقت میں دیگر خودمختاری کا اہم ذریعہ ہیں۔ وہ بچے زیادہ غیر محفوظ ہوتے ہیں جن کی ولدیت معلوم نہیں: اُن کی پیدائش کے اندراج کا کوئی بندوبست نہیں جس کی وجہ سے وہ تشدد، اسمگلنگ اور چائلڈ لیبر کے نشانے پر رہتے ہیں۔ جن خانہ بدوش مزدوروں کا سروے کیا گیا اُن میں سے بیشتر نے کہا کہ شہریتی دستاویزات نہ رکھنے کی وجہ سے وہ کووڈ 19 بحران کے دوران امداد کے حصول سے محروم رہے۔

تحقیق نے دیگر اقدامات کے علاوہ، یہ سفارش بھی پیش کی ہے کہ موسمی مزدوروں کی سی این آئی سی تک رسائی آسان بنانے کے لیے موبائل یونٹوں کی پہنچ کو وسعت دی جائے اور لیڈی ہیلتھ ورکرز اور پولیو ورکرز کو بھی اس عمل میں شامل کیا جائے۔ اس کے علاوہ، اگر اس غیر محفوظ گروپ کو سماجی تحفظ کی اسکیموں سمیت شہریت کے فوائد تک رسائی دینا مقصود ہے تو پھر دستاویز سے متعلق شرائط میں نرمی کرنا ہوگی۔

رکن سندھ اسمبلی اور پی پی پی کی نمائندہ شمیم ممتاز، چیئرپرسن سندھ چائلڈ پروٹیکشن اتھارٹی نے کہا کہ اگرچہ خانہ بدوش مزدوروں کے بچے قانونی طور پر شہریت کی دستاویزات کے مستحق ہیں مگر نادرا کی جانب سے ایسی کوئی پالیسی موجود نہیں جو ان کی پیدائش کے اندراج کو یقینی بنا سکے، اور مزید کہا کہ شہریت کی دستاویزات تک رسائی بہتر کرنے کے لیے مقامی حکومت کو اہم کردار ادا کرنا ہوگا۔

ایک اور رکن سندھ اسمبلی اور ایم کیو ایم کے نمائندے رانا عنصر نے پالیسی سازی کے ذریعے ایسے متبادل انتظامات متعارف کروانے پر زور دیا جس سے خانہ بدوش مزدوروں کو شہریتی دستاویزات کے لیے درخواست دینے کی اجازت مل سکے چاہے اُن کے پاس مستقل پتا یا خاندان کے اندراج کی دستاویزات نہ ہوں۔

اراکین صوبائی اسمبلی منگلہ شرما، صداقت حسین اور عباس جعفری نے بھی پالیسی مشاورت میں شرکت کی اور اور سول سوسائٹی اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کے ہمراہ تحقیق کے نتائج پر غور وفکر کیا۔

[پریس ریلیز۔کراچی۔یکم اکتوبر 2021]

اپنی سلامتی کو درپیش خطرات کے باعث ملک چھوڑنے والے لوگوں کے لیے سرحدیں بند نہیں ہونی چاہئیں

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) اور ساؤتھ ایشیا پارٹنرشپ - پاکستان (سیپ- پی کے) کے زیراہتمام منعقد ہونے والی ایک گول میز کانفرنس میں مقررین نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ افغانستان جہاں انتہائی دائیں بازو کے جنگجو گروپ کے اقتدار میں آنے کے بعد سے انسانی حقوق کی اطلاعات میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے، وہاں طالبان کی حکومت سے فرار ہونے والے افغان مہاجرین کی مدد کے لیے، ترجیحی عمل کے طور پر، ایک باربط پالیسی تشکیل دے۔

سیپ -پی کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر محمد تحسین نے کہا کہ اس قسم کی پالیسی کی عدم موجودگی کا مطلب ہے کہ سرحد پار کر کے پناہ کے لیے پاکستان آنے یا دیگر ممالک میں ویزہ کے حصول جیسے معاملات میں قدرے مستحکم حالات والے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ غریب اور پسماندہ لوگوں کو نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ ایچ آر سی پی کی چیئرپرسن حنا جیلانی نے کہا کہ افغانستان میں ہونے والی پیش رفتیں پاکستان کی سول سوسائٹی پر شدید اثرات مرتب کر رہی ہیں اور یہ کہ اس معاملے پر 'خفیہ بریفنگز' ناقابل قبول ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ بلاشبہ افغانستان کا اقتدارِاعلیٰ قابل احترام ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ پاکستان کی سول سوسائٹی کو افغانستان میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف بولنے نہ دیا جائے۔

سابق سینیٹر اور ایچ آر سی پی کے کونسل رکن فرحت اللہ بابر نے افغان پناہ گزینوں کے حوالے سے انسانی حقوق پر مبنی پالیسی کی تشکیل پر زور دیا۔ نہ صرف کل اراکین کی پارلیمانی کمیٹی کو اسے آگے لے کر چلنے کی ضرورت ہے بلکہ اس طرح کی پالیسی کی تشکیل میں سول سوسائٹی کو بھی شامل کیا جائے۔ پاکستان میں افغان پناہ گزینوں اور افغان شہریوں کے بندوبست کے لیے قومی پالیسی تشکیل دینے سے متعلق کابینہ کے 2017 کے فیصلے کو بحال کیا جانا چاہیے۔

سابق سینیٹر اور ایچ آر سی پی کے چیئرپرسن افراسیاب خٹک نے کہا کہ خود افغان پناہ گزینوں کو سننا بہت ضروری ہے۔ دستاویزات سازی کا مشکل عمل اور سرحد پر حکام کی طرف سے پناہ گزینوں سے رشوت لیے جانے کی اطلاعات پریشانی کا سبب ہیں۔ ان کا کہنا تھا، یہ ضروری ہے کہ پاکستان 1951 کے پناہ گزین کنونشن اور اس کے 1967 پروٹوکول کو تسلیم کرے اور ان ذمہ داریوں کے پیش نظر ملکی قانون سازی کرے۔

دیگر شرکاء بشمول ماہر ترقیاتی امور صبا خٹک، ایچ آر سی پی کی رکن فاطمہ عاطہ، اور یو این ایچ سی آر کے ترجمان قیصر خان آفریدی نے تجویز کیا کہ پاکستان افغان پناہ گزینوں کو قبول کرنے کی اپنی مثال کی پیروی کرے جبکہ وزارت داخلہ اور دیگر ممالک کے سفارت خانوں س مطالبہ کیا پناہ کے ضرورت مندوں کے لیے محفوظ سفر اور ویزوں کے حصول کو آسان بنانے کے لیے کاغذی کاروائی کے عمل میں تیزی لائی جائے۔ حکومت کو یہ یقینی بنانے کے لیے بھی فوری اقدامات کرنے ہوں گے کہ پناہ گزینوں کو صحت کی سہولیات اور روزگار تک آسان رسائی ملے۔ اس کے علاوہ، پاکستانی حکام کی جانب سے ہراسانی کے خوف کے بغیر سول سوسائٹی کو افغان پناہ گزینوں کی مدد کا حقدار قرار دیا جائے۔

[پریس ریلیز۔اسلام آباد۔15 اکتوبر 2021]

پاکستان میں پھانسی پر پابندی کا دوبارہ اطلاق کیا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے 15 اکتوبر کو ایک سزائے موت کے معاملے کے مختلف خدوخال کا جائزہ لینے اور ملک میں سزائے موت کے قیدیوں کو درپیش مسائل کا احاطہ کرنے کے لیے 15 اکتوبر کو ایک آن لائن سیمینار کا اہتمام کیا۔ سیمینار سے ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی سابق چیئر پرسن اور انسانی حقوق کی نامور کارکن زہرہ یوسف، ایک عشرے سے زائد عرصہ سے ملک میں سزائے موت کے خاتمے کے لیے کام کرنے والی سارہ بلال جو ایک ممتاز ادارے جسٹس پراجیکٹ پاکستان کی سربراہ بھی ہیں، سزائے موت کے موضوع پر کام کرنے والے ادارے شہری پاکستان کے سربراہ عرفات مظہر اور عرصہ تین دہائیوں سے سزائے موت کے قیدیوں کو سزا سے نجات دلانے، ان کی مشاورت کرنے اور حریف خاندانوں کے مابین مصالحت کی کوششوں پر کاربند اور ادارہ ریڈیمپشن کے بانی آرتھر ولسن تھے۔ تقریب کی نظامت کے فرائض ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان سے وابستہ سلمان سکندر نے سرانجام دیے۔

پروگرام کے آغاز میں سلمان سکندر نے کہا کہ پاکستان میں سزائے موت کے حوالے سے بات کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے قانون میں سزائے موت ورثے میں ملی ہے مگر بدقسمتی سے ایسے جرائم کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے جس کی سزا موت ہے۔ اور پھر 1980 کی دہائی میں خاص طور پر سزائے موت والے جرائم کی تعداد ایک دم سے بڑھ جاتی ہے۔ اور پھر 2008 میں سزائے موت پر عارضی پابندی لگائی جاتی ہے جو 2014 تک لاگو رہتی ہے۔ اور اس وقت اگر بات کریں تو لگ بھگ تین ہزار سے زائد قیدی سزائے موت کے منتظر ہیں۔

پھر انہوں نے زہرہ یوسف سے درخواست کہ وہ بتائیں کہ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کا سزائے موت کا کیا مؤقف رہا ہے اور اس مؤقف کی وجہ کیا ہے، اور اس وقت ملک میں سزائے موت کے معاملے کی صورت حال کیا ہے؟

زہرہ یوسف کا کہنا تھا کہ ایچ آر سی پی شروع دن سے سزائے موت کے اطلاق کے خلاف ہے۔ سزائے موت پر عارضی پابندی کے اطلاق سے کئی برس قبل ہم نے سزائے موت کے خاتمے کا مطالبہ کیا تھا اور آج تک اس مطالبے پر قائم ہے۔ ایچ آر سی پی نے انٹرنیشنل فیڈریشن فار ہیومن رائٹس (ایف آئی ڈی ایچ) کے ساتھ مل کر ایک تحقیق بھی کی تھی تاکہ ہم یہ جان سکیں کہ ملک میں سزائے موت کے قیدیوں کی حالت کیسی ہے۔ 2008 میں وزیراعظم نے پھانسی پر عارضی پابندی لگائی تھی تو اس وقت اس فیصلے کی کافی مخالفت ہوئی تھی۔ حزب اختلاف کی جماعت پاکستان مسلم لیگ نواز شریف نے مخالفت کی تھی بلکہ عدلیہ کی طرف سے بھی مخالفت ہوئی تھی۔ یہ کہا گیا تھا کہ آپ کس بنیاد پر پھانسی پر پابندی لگا رہے ہیں؟ پی ایم ایل این نے 2013 میں حکومت میں آنے سے پہلے ہی یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ پھانسی پر عارضی پابندی ختم کریں گے۔ اور پھر 2014 میں آرمی پبلک اسکول پر حملہ ہوا تو پھر حکومت کو یہ فیصلہ کرنے کی وجہ بھی مل گئی اور حمایت بھی مل گئی۔ اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی تک ملک میں پھانسی پر عارضی پابندی لگانے یا سزائے موت کے خاتمے کے لیے سیاسی عزم موجود نہیں ہے۔ اب ہمارے اراکین پارلیمان ہیں وہ ہر دوسرے دن کہتے ہیں اپنے مخالفین کے بارے میں یا کسی کے بھی بارے میں کہتے ہیں کہ ان کو سرعام پھانسی کے پھندے پہ لٹکا دینا چاہیے۔ تو یہ رجحان بہت مقبول طریقہ ہے۔ اس کی وجہ سے سزائے موت پر ہماری قوم کا ردعمل بھی بہت جذباتی ہے۔ ایک طرف انصاف کے قیام کی باتیں ہوتیں ہیں۔ اگر کوئی ایسا جرم ہوتا ہے جس کی سزا موت ہے تو کہا جاتا ہے کہ بس پھانسی کا بٹن دبا دینا چاہیے اور ساتھ یہ مطالبہ بھی کیا جاتا ہے کہ سرعام پھانسی دی جائے۔ تو یہ سمجھ لیجیے کہ بہت مشکل جدوجہد ہے ہم سب کے لیے۔

سارہ بلال نے کہا کہ پاکستان اور دنیا بھر کے کوائف موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سزائے موت کے اطلاق اور جرائم کی روک تھام کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ زوہرہ آپا نے بڑی اہم بات کی ہے کہ اس معاملے پر سیاست بہت زیادہ کی جاتی ہے۔ دنیا بھر کے سیاستدان جانتے ہیں کہ اس سزا کا جرائم کی روک تھام میں کوئی کردار نہیں ہوتا مگر اس معاملے پر سیاست کی جاتی ہے۔ سزائے موت پر جو عارضی پابندی لگی تھی وہ اس وقت کے انتخابات جیتنے والی جماعت نے بطور اصول لگایا تھا۔ وہ پابندی بطور پالیسی لاگو نہیں ہوئی تھی۔ دراصل، صدر زرداری جنہوں نے خود دس برس سزا کاٹی تھی، نے کسی بھی قیدی کی رحم کی اپیل مسترد کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ تو وہ آٹھ سال کا عرصہ جس سے ہم کچھ فائدہ اٹھا سکتے تھے، ہم نے ضائع کیا کیونکہ پالیسی کے ضمن میں ہم کوئی تبدیلی لے کر نہیں آسکے۔ میں بطور کارکن، بطور وکیل گذشتہ 12 برسوں سے اس مسئلے پر کام کر رہی ہوں۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ اس وقت ملک میں اس معاملے پر ہونے والی سیاست کی وجہ سے پھانسی پر پابندی کے بارے میں بات کرنا تقریبا ناممکن ہو چکا ہے اور آپ دیگر طریقے تلاش کریں جن کے ذریعے ہم سزائے موت کے اطلاق کو محدود کر سکیں۔ اگر آپ کسی سیاستدان یا عوام سے بھی یہ کہیں کہ سزائے موت نہیں ہونی چاہیے تو وہ آپ کو جواب دیں گے کہ اسلام میں یہ سزا جائز ہے۔ تو اگر آپ سیاستدانوں، پالیسی سازوں یا عوام کے پاس جا کر اس پر پابندی کی بات کریں گے تو وہ مذہب کا حوالہ دیں گے اور دوسری بات یہ کہ وہ عالمی سطح کا حوالہ بھی دے سکتے ہیں۔ دیکھیں کہ سزائے موت عالمی سطح پر بھی ممنوع نہیں ہے۔ مگر اس حوالے سے عالمی معیارات ہیں جن کا اطلاق ضروری ہے جو ہمارے ملک میں لاگو نہیں کیے جا رہے۔ پاکستان نے عالمی معاہدے پر دستخط کر رکھے ہیں۔ عالمی معیارات کہتے ہیں کہ سزائے موت کا اطلاق صرف دانستہ قتل تک محدود ہونا چاہیے۔ اور اس کا اطلاق بہت کم ہونا چاہیے۔ اسلامی معیارات بھی عالمی معیارات سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ اسلام میں صرف قتل اور فساد فی الارض کے لیے سزائے موت ہے۔ ہم بطور کارکن، اپنے ملک کے تناظر کو دیکھتے ہوئے اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ اسے عالمی معیارات، اسلامی معیارات کی مطابقت میں لائیں۔ اور عملی صورت حال کی طرف جائیں۔ چین کے بعد پاکستان میں سزائے موت کے سب سے زیادہ قیدی ہیں۔ اس وقت ملک میں 3,813 لوگ سزائے موت کے قیدی ہیں۔ 33 جرائم کے لیے یہ سزا لاگو ہے۔ دنیا بھر میں سزائے موت پانے والے قیدیوں میں سے 27 فیصد پاکستان میں ہیں۔ پھر اس معاملے کا یہ رخ دیکھیں کہ اکثر پھانسی اصل میں دی کن جرائم کے لیے جاتی ہے۔ ہمارے کوائف ظاہر کرتے ہیں ہم صرف دو یا تین جرائم پر پھانسی دے رہے ہیں۔ قتل، دہشت گردی، اغوا وغیرہ کے لیے۔ تو جب ہم قانون سازوں سے بات کرتے ہیں تو ہم انہیں کہتے ہیں کہ اگر آپ اس سزا کے اطلاق کو محدود کر دیں گے تو اس میں آپ کا کوئی سیاسی نقصان نہیں ہوگا۔ ہمارے پاس دنیا بھر اور پاکستان بھر کے کوائف ہیں جن کی بنیاد پر ہم اس موضوع پر بحث چھیڑ سکتے ہیں۔ عوام کے ساتھ بھی اور پالیسی سازوں کے ساتھ بھی۔ عملی لحاظ سے دیکھیں تو ابھی 18 ماہ ہو چکے ہیں مگر کسی ایک فرد کو بھی پھانسی پہ نہیں لٹکایا گیا۔ جی ایس پی پلس جیسی اسکیموں کی وجہ سے۔ آٹھ سال تک موت پر پابندی رہی تو لوگ اس کے خلاف سڑکوں پہ نہیں آئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اس معاملے پر بحث کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ جب پابندی ہٹی بھی تھی تو وہ ایک سیاسی فیصلہ تھا جس کے پیچھے سلامتی کے محرکات بطور وجہ بتائے گئے۔ تو اس طرح ہم پھانسی نہ دینے والی ریاست سے سب زیادہ

پھانسیاں دینے والی تیسری بڑی ریاست بن گئے۔ 516 بندے ہم مار چکے ہیں۔ ہمیں سزائے موت والے جرائم کی تعداد کم کروانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ رحم کی اپیلوں پر کارروائی کو شفاف اور منصفانہ بنانا ہوگا۔ 2015 میں دفتر صدر مملکت کی طرف سے بیان آیا کہ دہشت گردی میں ملوث کسی مجرم کو معافی نہیں دی جائے۔ یہ ہمارے آئین کی خلاف ورزی ہے۔ یہ عالمی معیارات کی نفی ہے۔ پھر، سزائے موت کی زیادہ تر بنیاد تشدد کی بنیاد پر لیے گئے اعتراف جرم ہیں۔ پاکستان نے اذیت رسانی کے خلاف کنونشن پر دستخط کر رکھے ہیں۔ پاکستان کی سینٹ نے اذیت رسانی کے خلاف مسودہ قانون منظور کر لیا ہے، اسے قومی اسمبلی سے منظور کروانے کی ضرورت ہے۔ اس قانون کا سزائے موت کے قیدیوں پر بہت بڑا اثر پڑے گا۔ اس سے ان لوگوں کو اپنی سزا چیلنج کرنے کا موقع ملے گا جن کی سزا کی بنیاد اذیت رسانی سے کروائے گئے اعتراف پر ہے۔

سلمان سکندر نے سوال کیا کہ کنیزہ بی بی اور امداد علی کے مقدمے پر عدالت عظمی کا فیصلہ آیا کہ ذہنی بیمار افراد کو پھانسی نہیں دی جا سکتی۔ یہ فیصلہ کافی ہے یا اس پر مزید کسی قسم کی قانون سازی کی ضرورت ہے؟ جس کے جواب میں سارہ بلال نے کہا کہ اس فیصلے نے ایک معیار قائم کیا ہے کہ شدید ذہنی بیمار افراد کو پھانسی نہیں دی جا سکتی۔ اگر کوئی فرد پھانسی دیے جانے کے وقت شدید ذہنی مرض میں مبتلا ہے تو اسے پھانسی نہیں دی جا سکتی۔ عالمی معیار بھی یہی ہے۔ اس فیصلے میں سفارشات کی ایک لمبی فہرست ہے جو تمام صوبوں کو لاگو کرنی چاہییں۔ یہ بھی کہ ہر اس قیدی کی سزائے موت پر نظر ثانی ہو جو شدید ذہنی بیمار ہے۔ ہمیں یہ فیصلہ لینے میں آٹھ برس لگے مگر اس کے باوجود یہ آغاز ہے۔ ہیں قانون سازوں، پراسیکیوٹرز، ججوں، وکلاء کے ساتھ مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی تربیت کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ اس معاملے سے متعلق عالمی معیارات کے بارے میں اپنی فہم وفراست کو بہتر کریں۔

کوئی بھی ایسا ملک نہیں ہے دنیا میں جہاں سزائے موت رائے عامہ کی وجہ سے ختم ہوئی ہو۔ آج بھی اگر آپ فرانس اور برطانیہ وغیرہ کو دیکھیں جنہوں نے گذشتہ کئی برسوں سے سزائے موت ختم کر رکھی ہے تو وہاں کی 60، 70 فیصد آبادی سزائے موت کے حق میں ہے۔

عرفات مظہر نے کہا کہ توہین رسالت کے معاملے میں جہاں تک سزائے موت کے اطلاق کا سوال آتا ہے تو اس حوالے سے اسلامی فقہ الگ ہے اور اسلامی روایت الگ ہے۔ جس طرح غامدی صاحب بالکل درست کہتے ہیں کہ اپ قرآن کھول کر دیکھ لیں کہ اس میں توہین رسالت کے جرم کے بارے میں کہاں لکھا ہے۔ تو توہین رسالت پر سزائے موت کا قانون نہ تو قانون ساز ادارے نے بنایا، نہ ہی یہ اسلامی قانون ہے۔ نہ ہی قرآن میں ہے، اور نہ ہی سنت میں کہیں اس کا ذکر ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ 295 سی کے حوالے سے بحث نہیں ہوتی۔ ضیاء الحق کے دور میں اس پر جب بات ہوئی تو حکومت نے کہا کہ ہمارے پاس پہلے سے قانون موجود ہے، کسی نئے قانون کی ضرورت نہیں مگر پھر ضیاء الحق کے عشق رسول پہ باتیں ہونے لگیں۔ پھر نجی اراکین پارلیمان بل کی حیثیت سے یہ مسودہ آیا تو اس میں صرف عمر قید کی سزا شامل تھی۔ پھر بعد میں کمیٹی کی سفارش پر اسپیکر اسمبلی نے پنسل میں سزائے موت بھی شامل کر دی۔ اور یہ سارا کچھ پارلیمانی قواعد وضوابط کی پامالی کرتے ہوئے کیا گیا۔ اس کو اخلاقی جواز دینے کے لیے کہا گیا کہ ہماری اسلامی روایت میں یہ سزا چلتی آ رہی ہے۔ پھر وفاقی شرعی عدالت میں اس کی جھوٹے مفروضات پر غلط تشریح ہوئی۔ ایسا سب کچھ بعض لوگوں نے جانتے بوجھتے کروایا۔ یہ قانون غلط دلائل کی بنیاد پر بنا ہے اور جھوٹے مفروضات کی بنیاد پر اس کی توضیح ہوئی ہے اور پھر اس کی بنیاد پر لوگوں کی زندگیاں لی جاتی ہیں جو کہ انتہائی سراسر غیر انسانی اور ظالمانہ عمل ہے۔

اس معاملے پر رائے عامہ تبدیل کرنے کے حوالے سے عرفات مظہر نے کہا کہ یہ انتہائی مشکل کام ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمام جرائم سے قطع نظر سزائے موت اصولی لحاظ سے ناجائز عمل ہے۔ اگر ممتاز قادری کو سزائے موت دی گئی تو ہم سب کو اس کی بھی مخالفت کرنی چاہیے تھی۔ اور اس کی پھانسی سے انہیں لوگوں کی زیادہ ہمدردی ملی ہے، وہ زیادہ منظم ہوئے ہیں۔ ہمیں بھی منظم ہونے کی ضرورت ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ عشق رسول کی تعریف محدود ہوتی جا رہی ہے۔ اس میں سے تنوع ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ہماری ثقافتی اقدار اور رسومات جو عشق رسول کو مختلف طریقوں سے مناتی تھیں، ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ لوگوں کے اندر ذہنی بیماری کا شعور ہونا ضروری ہے۔

ریڈ پیپشن کے بانی آرتھر ولسن نے سزائے موت کے قانون کے مذہبی اقلیتوں پر اثرات کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا کہ میرا اس اصول پر ایمان ہے کہ اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اس کو برباد نہ کریں بلکہ اسے بحال ہونے میں مدد دیں کیونکہ وہ بھی ہمارے جیسا انسان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارا کوئی بہن، بھائی ہو، ہمارے سماج کا حصہ ہے۔ اس لیے دنیا بھر میں اصلاحاتی انصاف کے پیروکار ممالک پرامن ہیں، خوشحال ہیں اور اسی لیے ہم ان کی مثالوں کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ میں یہاں بطور مذہبی اقلیت کے رکن کے گذشتہ 30 برسوں سے سزائے موت کے خلاف کام کر رہا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی وقوعہ پیش آتا ہے تو سب سے پہلے متاثرہ خاندان کے لوگ اور عزیز واقارب سوچ بچار شروع کر دیتے ہیں کہ ملزم فریق کے تمام کنبے کو کس طرح پھنسوانا ہے تاکہ مقدمے کی پیروی کے لیے کوئی نہ بچے۔ پھر تھانے میں تحقیقات کرنے والے خود ساز باز کر کے ناقص تحقیقات کرتے ہیں، پھر گواہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں، اور ایک عام اصطلاح ہے کہ "وکیل نہ کریں، جج کر لیں"۔ تو تحقیقات اور سماعت کے اتنے ناقص نظام میں اتنی سخت سزا کا اطلاق سراسر ناانصافی ہے کم از کم اس وقت تک جب تک آپ سیکھتے نہیں اور اس نظام میں ضروری اصلاحات نہیں لاتے۔ اس لیے میں، کہتا ہوں کہ موجودہ حالت میں اس پر کم از کم عارضی پابندی ضرور ہونی چاہیے۔ سزائے موت کے قیدیوں کو جیل میں درپیش مشکلات پر گفتگو کرتے ہوئے آرتھر ولسن کا کہنا تھا کہ سزائے موت کا نام ہی فرد کا دل دہلا دینے کے لیے کافی ہے۔ سزائے موت کے قیدی بہت مشکل صورت حال سے دوچار ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک زیادہ بہتر تھا کہ میں دو مخالف خاندانوں کو ایک میز پر لاتا اور ان کے لیے درمیان مصالحت کرواتا۔ میں نے تین سے زائد عشروں تک یہ کام کیا ہے اور نتیجے میں بہت سے لوگ مستفید ہوئے ہیں۔

ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے زہرہ یوسف نے کہا کہ ہمارا مطالبہ ہے کہ پھانسی پر پابندی عائد ہو مگر یہ کافی نہیں ہے۔ ہمیں اس مطالبے کو پھانسی کے مکمل خاتمے کی طرف لے کر جانا ہے جو ہمارا حتمی ہدف ہے۔ ہمیں ان تمام نکات کا جائزہ لینا چاہیے جن کا ذکر سارہ بلال نے کیا ہے تاکہ ہماری تحریک زیادہ ثمر آور ہو سکے اور ولسن صاحب نے اپنے تجربات بتائے ہیں جو انہیں سزائے موت کے قیدیوں کے ساتھ ملاقاتوں کے دوران حاصل ہوئے تو ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ان قیدیوں پر کیا گزرتی ہے۔ اس سے زیادہ بڑھ کر ان کے خاندانوں پر اثرات کو دیکھنا ہوگا۔ متاثرہ خاندانوں، خاص طور پر ان کی عورتوں کی حالت زار کی بنیاد پر ہم رائے عامہ میں کچھ تبدیلی لا سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں دیت کا قانون موجود ہے اور لگتا ہے کہ پھانسی زیادہ تر غریب لوگوں کو ہی دی جاتی ہے۔

اور عرفات مظہر صاحب نے بڑی تفصیل سے توہین رسالت کے معاملے پر گفتگو کی ہے۔ ابھی تک اس جرم میں کسی کو پھانسی نہیں دی گئی ہے ہمارے ملک میں حالانکہ ہزاروں لوگ ہیں جن پر توہین رسالت کا الزام عائد کیا گیا۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ شاید 70 سے زائد ایسے لوگوں کی ماورائے عدالت جان لی گئی ہے۔

ذہنی بیماری اور جسمانی معذوریاں اور سزائے موت کا غیر منصفانہ نظام

تعارف

ذہنی طور پر بیمار افراد معاشرے کے غیر محفوظ ترین گروہوں میں سے ایک ہیں، اس کے باوجود ان کے غیر محفوظ ہونے کی حالت کو شاذونادر ہی تسلیم کیا جاتا ہے یا انہیں فوجداری نظام میں مناسب تحفظ فراہم نہیں کیا گیا۔ اس کے برعکس، ذہنی بیماری کا شکار افراد اکثر 'پیدائشی طور پر خطرناک'[1] تصور کیے جاتے ہیں اور انہیں ظالمانہ اور غیر معمولی سزا، بشمول سزائے موت کا مسلسل سامنا رہتا ہے جس کی ملکی اور بین الاقوامی قانون کے تحت سخت ممانعت ہے۔

تشویش ناک بات یہ ہے کہ پاکستان میں پانچ کروڑ افراد ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں۔[2] تاہم، 'ذہنی صحت کے علاج اور فوجداری نظام نیز عمومی طور پر پاکستان میں اس حوالے سے تربیت کے فقدان کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے افراد میں کبھی بھی اس مرض کی تشخیص تک نہیں ہو پائے گی۔'[3] پاکستان کے وسائل کی کمی کے شکار اور حد سے زیادہ وسیع فوجداری نظام انصاف کے ڈھانچہ جاتی اور انتظامی مسائل کے باعث صورتحال اور بھی سنگین ہوجاتی ہے۔[4] نتیجے کے طور پر، فوجداری نظام انصاف میں حائل چیلنجز، اقبال جرم کے لیے تشدد کا بڑے پیمانے پر استعمال، اور قابل وکیل تک رسائی کی کمی کا سب سے زیادہ اثر پاکستان کے غیر محفوظ ترین طبقات پر پڑتا ہے۔[5]

فوجداری نظام انصاف میں ذہنی بیماری پر بھی توجہ دینا ہوگی کیونکہ اس کا براہ راست تعلق سزاواری اور سزایابی سے ہے اور یہ قانونی عمل میں مؤثر شرکت میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔ ذہنی طور پر بیمار افراد ضروری 'اخلاق سزاواری' یا سزا کی نیت سے محروم ہوسکتے ہیں، اور یوں ان کی اپنے اعمال کے نتائج کو سمجھنے کی قابلیت کم یا ختم بھی ہوسکتی ہے۔[6] وہ جھوٹے اقرار جرم کرنے کے شدید خطرے سے بھی دوچار ہوتے ہیں کیونکہ ان میں 'حقیقت کا صحیح طور پر ادراک کرنے' کی صلاحیت کم ہوتی ہے یا ہوتی ہی نہیں۔[7]

قانونی پیشہ ور ماہرین کی ذمہ داری اور مہارت کا دائرہ ذہنی بیماری کی تشخیص یا فلاحی خدمات کی فراہمی تک وسیع نہیں ہوتا، لیکن، وہ اس بات کو یقینی ضرور بناتے ہیں کہ غیر محفوظ مدعا علیان کے ساتھ منصفانہ اور ملکی قانون اور بین الاقوامی ذمہ داریوں کی مطابقت میں سلوک کیا جائے۔[8] اس ذمہ داری کی انجام دہی کی ضرورت اس حقیقت کی روشنی میں انتہائی اہم ہوجاتی ہے کہ اس وقت پاکستان میں 33 فوجداری جرائم کی سزا موت ہے۔ ذہنی طور پر معذور مدعا علیان کے حقوق کو برقرار رکھنے میں ناکامی غیر محفوظ افراد کی پھانسی پر منتج ہوسکتی ہے اور ایسا ہوا بھی ہے۔

ذہنی بیماری کی تعریف

ذہنی بیماریاں فرد کے رویے، سوچ پر شدید اثرات مرتب کرسکتی ہیں اور یہ ان کے روزمرہ کے معمولات جیسے کہ کام کرنے کی صلاحیت اور تعلقات برقرار رکھنے کی قابلیت کو متاثر کرسکتی ہیں۔[9] ذہنی بیماریاں طویل عرصے تک وقوع پذیر ہوسکتی ہیں اور یہ فرد کی زندگی پر معذوری کا باعث بننے والے اثرات مرتب کرتی ہیں۔[10]

ذہنی بیماری سے مراد ایسی تمام ذہنی خرابیاں ہیں جنہیں اکثر دماغ کی فعالیت میں خلل سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ ایک وسوسہ ہوسکتا ہے جس سے کسی شخص کو یقین ہونے لگتا ہے کہ کوئی اس کے خاندان کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے اور انہیں اس خطرے کو دور کرنے کی ضرورت ہے یا پھر بچے کی پیدائش کے بعد پیدا ہونے والے ذہنی تناؤ کا شکار ماں کو ایسا لگنے لگتا ہے اسے خود کو اور اپنے نومولود بچے کو مارنا ہوگا تاکہ انہیں اس آفت سے محفوظ رکھا جاسکے جس کا اس کے خیال میں انہیں سامنا ہوتا ہے۔

ایسی کسی واحد وجہ کی نشاندہی نہیں کی گئی جو ذہنی بیماری کے ارتقاء پر منتج ہوتی ہو۔ ذہنی بیماری مختلف اسباب بشمول جینیات، ماحولیات اور طرز زندگی جیسے عوامل کی وجہ سے وقوع پذیر ہوسکتی ہے۔ اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ 'لوگ اپنی مرضی سے ذہنی بیماری کا شکار نہیں ہوتے' اور ذہنی بیماریوں پر 'قوت ارادی' کی مدد سے قابو نہیں پایا جاسکتا اور اس کا فرد کے 'کردار' یا 'ذہانت' سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔[11]

جب ذہنی بیماری کا شکار کسی فرد کو جرم کے ارتکاب کے بعد عدالت میں پیش کیا جاتا ہے تو یہ ثابت کرنا ایک بہت بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ آیا ان کے اقدامات میں ان کی ذہنی بیماری کا کوئی عمل دخل تھا یا نہیں، مثال کے طور پر، کیا انہوں نے ہذیان

1۔ امریکی بار ایسوسی ایشن، سزائے موت سے متعلق معین طریقہ کار کا جائزہ پراجیکٹ، 'شدید ذہنی بیماریاں اور سزائے موت'، (دسمبر 2018): 22،
http://www.americanbar.org/content/dam/aba/images/crsj/DPDPRP/SevereMentalIllnessandtheDeathPenalty_WhitePaper.pdf.

2۔ ڈان، 'پانچ کروڑ پاکستانی ذہنی بیماریوں کا شکار'، اکتوبر 2016، https://www.dawn.com/news/1288880.

3۔ جسٹس پراجیکٹ پاکستان اینڈ الارڈ کے۔ لوونسٹین، 'ایک سنگین ترین جرم، پاکستان کی جانب سے سزائے موت کا خلاف قانون استعمال'، (ستمبر 2016)۔
https://law.yale.edu/system/files/area/center/schell/2016_09_23_pub_dp_report.pdf.

4۔ ایضاً

5۔ ایضاً، 3۔

6۔ ایضاً، 2۔

7۔ ایضاً، 34۔

8۔ جیل اصلاحات ٹرسٹ، 'فوجداری عدالتوں میں ذہنی صحت اور سیکھنے سے معذوری'، (2018): 6۔

9۔ جیل اصلاحات ٹرسٹ، 'فوجداری عدالتوں میں ذہنی صحت اور سیکھنے سے معذوری'، (2018): 6۔

10۔ ایضاً

11۔ یہ بھی دیکھیں: یو ایس اے: ذہنی بیمار مجرموں کی پھانسی، ایمنسٹی انٹرنیشنل (جنوری 2006)، https://www.amnesty.org/en/documents/ AMR51/003/2006/en/.

کے زیر اثر کسی کو نقصان پہنچایا تھا۔

اگر ایسا ہو تو یہ ثابت کرنا دانشمندی ہوگی کہ فرد کو اپنے اقدامات پر کتنا اختیار تھا۔

اس سے یہ رہنمائی ملے گی کہ آیا فرد کو علاج کے لیے کسی محفوظ ہسپتال میں داخل کرایا جائے یا پھر اس کے خلاف فوجداری نظام انصاف کے تحت کارروائی کی جائے۔ایک اور متعلقہ مسئلہ یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ٹرائل کے وقت، کیا فرد اپنی ذہنی بیماری کے باعث درخواست دینے کے قابل ہے یا نہیں۔ چونکہ مذکور بالا عوامل کو ثابت کرنا ایک مشکل اور پیچیدہ عمل ہوسکتا ہے اس لیے عدالتوں کو تربیت یافتہ ذہنی صحت کے ماہرین کی معاونت حاصل ہونی چاہیے تاکہ ایک معقول نتیجے پر پہنچا جاسکے۔عدالتوں کو پھانسی کی تاریخ سے پہلے سزائے موت کے منتظر قیدی کی ذہنی صحت کا بھی دوبارہ جائزہ لینا چاہیے۔اگر ذہنی خرابی یا معذوری کی علامات موجود ہوں تو پھانسی کو روک دیا جائے اور قیدی کو ذہنی صحت کے مرکز منتقل کیا جائے۔

ذہنی خرابیوں کا تشخیصی وشماریاتی کتابچہ، پانچواں شمارہ (ڈی ایس ایم - وی)[12] ذہنی خرابیوں کی تعریف کچھ یوں کرتا ہے:

'ذہنی خرابی ایسی علامات کا مجموعہ ہے جس کی خاص بات ہے کہ اس سے فرد کے شعور، جذبات کی باضابطگی، یا رویے میں نمایاں طبی رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے جس سے نفسیاتی، حیاتیاتی یا ارتقائی عمل جو ذہنی فعالیت کی اساس ہیں، میں رکاوٹ کی عکاسی ہوتی ہے۔ ذہنی خرابیوں کا تعلق عام طور پر سماجی، پیشہ ورانہ اور دیگر اہم سرگرمیوں میں نمایاں تنگی سے ہوتا ہے۔کسی عام تناؤ یا نقصان، جیسے کہ کسی عزیز کی موت پر متوقع یا ثقافتی طور پر تسلیم شدہ ردعمل ذہنی خرابی نہیں ہے۔سماجی لحاظ سے متفرق رویہ (جیسے کہ سیاسی، مذہبی، یا جنسی) اور ایسے تنازعات جو بنیادی طور پر فرد اور معاشرے کے درمیان وقوع پذیر ہوتے ہیں، ذہنی خرابی نہیں ہے ماسوائے اس انحراف یا تنازعے کا سبب کسی فرد میں فعالیت کی کمی ہو، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔'

بیماری کی عالمی درجہ بندی، دسواں ایڈیشن (آئی سی ڈی-10)[13] کہتا ہے کہ:

''خلل' درست اصطلاح نہیں ہے، لیکن اسے ان متعدد قابل شناخت علامات یا رویے کی موجودگی کو سمجھانے کے لیے استعمال کیا گیا ہے جن کا تعلق زیادہ تر واقعات میں پریشانی اور ذاتی افعال میں مداخلت سے ہوتا ہے۔محض سماجی انحراف یا تنازعے کو، ذاتی غیر فعالیت کے بغیر، ذہنی خلل، جیسا کہ یہاں بیان کیا گیا ہے، میں شامل نہیں کیا جانا چاہیے۔'

ذہنی صحت آرڈیننس 2001 کا سیکشن 2(ایم)[14] ذہنی خلل یا معذوری کو یوں بیان کرتا ہے:

''ذہنی بیماری، بشمول دماغی خلل، شدید شخصیتی خلل، شدید ذہنی خلل، ذہنی خلل اور ذہن کی ایسی کوئی بھی خرابی یا معذوری'۔

یہ سیکشن ذہنی خلل کی بھی تعریف بیان کرتا ہے جو کچھ یوں ہے:

'ذہنی نشوونما میں رکاوٹ یا نامکمل نشوونما کی حالت (جو شدید خلل میں تبدیل نہ ہوئی ہو)، جس میں ذہانت اور سماجی فعالیت میں نمایاں خلل شامل ہے اور جس کا تعلق متعلقہ فرد کے غیر معمولی طور پر جارحانہ یا شدید غیر ذمہ دارانہ طرزعمل سے ہے۔'

شدید شخصیتی خلل کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

''ذہنی نشوونما میں رکاوٹ یا نامکمل نشوونما کی حالت (چاہے اس میں ذہانت سے نمایاں محرومی شامل ہو یا نہیں) جس میں ذہانت اور سماجی فعالیت میں نمایاں خلل شامل ہے اور جس کا تعلق متعلقہ فرد کے غیر معمولی طور پر جارحانہ یا شدید غیر ذمہ دارانہ طرزعمل سے ہے۔'

شدید دماغی خلل سے مراد ہے:

'ذہنی نشوونما میں رکاوٹ یا نامکمل نشوونما کی حالت جس میں ذہانت اور سماجی فعالیت سے نمایاں محرومی شامل ہے اور جس کا تعلق متعلقہ فرد کے غیر معمولی طور پر جارحانہ یا شدید غیر ذمہ دارانہ طرزعمل سے ہے۔'

وہ مراحل جن میں مدعاعلیہ کی ذہنی بیماری پر غور کیا جاتا ہے۔

ایسے تین مراحل کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں جج مدعاعلیہ کی ذہنی بیماری پر غوروخوض کرسکتا ہے:

(i) ٹرائل کیے جانے کی اہلیت

جب ذہنی بیماری کا شکار کسی فرد کو جرم کے ارتکاب کے بعد عدالت میں پیش کیا جاتا ہے تو یہ ثابت کرنا ایک بہت بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ آیا ان کے اقدامات میں ان کی ذہنی بیماری کا کوئی عمل دخل تھا یا نہیں، مثال کے طور پر، کیا انہوں نے ہذیان کے زیر اثر کسی کو نقصان پہنچایا تھا۔اگر ایسا ہو تو یہ ثابت کرنا دانشمندی ہوگی کہ فرد کو اپنے اقدامات پر کتنا اختیار تھا۔

اس سے اس بات کا تعین ہوجاتا ہے کہ آیا مدعاعلیہ ٹرائل کے قابل ہے یا اسے علاج کے لیے کسی محفوظ ہسپتال بھیجا جائے۔

پولیس کی تحویل میں رات بسر کرنے کے دوران عدالت جانے کا خیال زیادہ تر افراد کے لیے پریشان کن ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں ان کے مشتعل ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔اس کا بذات خود نتیجہ چند ذہنی خرابیوں، جیسے کہ شدید پریشانی اور ذہنی تناؤ کے بڑھنے کی صورت میں نکل سکتا ہے، خاص کر غیر رسمی اور رسمی معاونت کی غیر موجودگی میں۔

12۔ ذہنی خرابیوں کا تشخیصی وشماریاتی کتابچہ، پانچواں شمارہ (ڈی ایس ایم) ایک ایسا کتابچہ ہے جسے امریکا اور دنیا کے بیشتر نگہداشت صحت کے ماہرین ذہنی خرابیوں کی تشخیص کے لیے ایک مستند گائیڈ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ڈی ایس ایم ذہنی خرابیوں کی وضاحت، علامات اور اس کی تشخیص کے دیگر معیارات پر مشتمل ہے۔یہ معالجین کے لیے ایک عام زبان مہیا کرتا ہے تاکہ وہ اپنے مریضوں کے بارے میں تبادلہ خیال کرسکیں، اور تشخیص کے ایسے یکساں اور معتبر معیارات تشکیل دیتا ہے جنہیں ذہنی خرابیوں کی تحقیق میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔یہ محققین کو بھی ایک عام زبان فراہم کرتا ہے تاکہ وہ مستقبل کی ممکنہ نظرثانیوں کے لیے مقررہ معیار کا مطالعہ کرسکیں اور معالجے اور دیگر اقدامات کے فروغ میں مدد دے سکیں۔دیکھیں: .https://www.psychiatry.org/psychiatrists/practice/dsm

13۔آئی سی ڈی دنیا بھر میں صحت کے رجحانات اور اعدادوشمار کی بنیاد ہے۔یہ بیماریوں اور صحت کی صورتحال کی تعریف اور رپورٹنگ کا ایک عالمی معیار ہے۔اس سے دنیا کو یہ موقع ملتا ہے کہ ایک عام زبان استعمال کرتے ہوئے صحت سے متعلق معلومات کا موازنہ کیا جائے اور ان کی تشہیر کی جائے۔یہ تمام طبی اور تحقیقی مقاصد کے لیے تشخیصی درجہ بندی کا معیار ہے۔ ان میں بیماریوں کے واقعات اور پھیلاؤ کی نگرانی، بازادائیگیوں اور فنڈز کی تخصیص کے رجحانات کا مشاہدہ، اور تحفظ اور معیار سے متعلق رہنما اصولوں کا ریکارڈ رکھنا شامل ہے۔یہ ڈی ایس ایم جیسا ہی ہے اور اسے ڈاکٹر اور نگہداشت صحت کے ماہرین بیماریوں اور نگہداشت صحت کے مسائل کی زمرہ بندی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔دیکھیے: .https://www.who.int/classifications/icd/en/bluebook.pdf

14۔20 فروری 2001 کو، پاکستان ذہنی صحت آرڈیننس 1912ء کے ذہنی عدم توازن ایکٹ کی تنسیخ کے بعد نافذ ہوا۔2001ء کا آرڈیننس قانون میں نمایاں تبدیلیاں لایا ہے۔ان تبدیلیوں کا تعلق ذہنی خلل کا شکار افراد کی نگہداشت وعلاج اور ان کی جائیداد کے انصرام اور دیگر متعلقہ معاملات سے ہے۔'، جیسا کہ آرڈیننس کے ابتدائیے میں واضح طور پر کہا گیا ہے۔

http://punjablaws.gov.pk/laws/430a.html. پر دستیاب ہے۔

15۔ http://www.mhldcc.org.uk/contents/3-mental-health/d-how-to-recognise-when-a-defendant-might-have-a-mental--health-condition-film-clip.aspx.

ذہنی صحت کی حالت کی شناخت کرنا مشکل ہوسکتا ہے اور اسے اکثر 'پوشیدہ معذوری' کہا جاتا ہے کیونکہ جسمانی معذوریوں کے برعکس، آپ ایسی بیماریوں کو دیکھ نہیں سکتے۔[15]

ذہنی خلل سے متاثرہ افراد اس سے وابستہ داغ کے باعث دوسروں کو اپنی حالت کے بارے میں نہیں بتاپاتے یا پھر اس وجہ سے کہ وہ غریب پس منظر سے تعلق رکھنے کی بناء پر اس بیماری کا ادراک نہیں کرپاتے، کیونکہ ان میں کبھی بھی اس مرض کی تشخیص نہیں ہوئی ہوتی یا پھر انہیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں۔

پاکستانی قانون ذہنی بیماری میں مبتلا ٹرائل کا سامنا کرنے والے قیدیوں کو وسیع تحفظ فراہم کرتا ہے۔ مجموعہ ضابطہ فوجداری 1898ء کے باب 34 (سیکشن 464-475) میں وہ پورا طریقہ کار موجود ہے جسے اس وقت اپنانے کی ضرورت ہے جب ٹرائل کا تعلق کسی 'جنونی' یا ذہنی معذور فرد سے ہو۔

پہلا، اور شاید سب سے اہم مرحلہ یہ ہے کہ ایسا قیدی جس کے فاترالعقل ہونے کا شبہ ہو، کا فوری طور پر طبی مشاہدہ کیا جائے۔ جب مقدمے کا ٹرائل شروع ہوگا تو اس بات کا مستند ثبوت موجود ہوگا کہ واقعے کے فوراً بعد ملزم کی ذہنی حالت کیا تھی۔[16]

اگرچہ مدعا علیہ کی ذہنی صحت سے متعلق معاملات اٹھانے کی ذمہ داری اصولی طور پر وکیل صفائی پر عائد ہوتی ہے، تاہم مجموعہ ضابطہ فوجداری کا باب 34 ججوں پر جانچ پڑتال کی ذمہ داری عائد کرتا ہے، اگر انہیں شبہ ہو کہ مدعا علیہ کسی دماغی خلل یا معذوری کا شکار ہے۔ اگر تحقیقات سے یہ ثابت ہوجائے کہ مدعا علیہ ذہنی طور پر بیمار ہے اور اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں تو مقدمے کی کارروائی اس وقت تک ملتوی کردی جائے جب تک مدعا علیہ استدعا کے لیے موزوں نہ سمجھا جائے۔ التواء کے دوران، عدالت کے پاس اس بات کے صوابدیدی اختیارات ہیں کہ وہ یا تو ضابطہ فوجداری کے سیکشن (1)466 کی مطابقت میں ضمانت کی منظوری دے یا پھر مدعا علیہ کو حفاظتی تحویل میں دے۔ عدالت کو اس حوالے سے صوبائی حکومت کو بھی مطلع کرنا ہوگا۔

چونکہ یہ ایک خصوصی استدعا ہے اس لیے بارِ ثبوت مدعا علیہ پر ہے، تاہم ٹرائل کے موقع پر وکیل صفائی کی جانب سے ذہنی خلل سے متعلق استدعا کرنے میں ناکامی کی صورت میں ملزم اس حق سے محروم نہیں ہوجاتا کہ اس کے ساتھ قانون کے مطابق برتاؤ کیا جائے۔ اس سیکشن کے تحت ٹرائل کا مقصد مدعا علیہ کو قصوروار ثابت کرنا نہیں بلکہ اس بات کا تعین کرنا ہے کہ آیا مدعا علیہ ذہنی طور پر بیمار ہے۔

استغاثہ اور وکیل صفائی کو اپنے موقف کی حمایت میں نمایاں ثبوت کے مکمل موقعے سے وابستہ رہنا چاہیے۔[17] اس سیکشن کے تحت احکامات پر نظر ثانی ہوسکتی ہے۔[18]

عبدالواحد بنام ریاست میں سپریم کورٹ نے تصدیق کی کہ باب 34 کی دفعات واجب ہیں اور عدالت کو پابند کرتی ہیں کہ اگر 'اس کے پاس یہ یقین کرنے کی وجوہات ہوں کہ ملزم 'ذہنی طور پر بیمار' ہے اور اپنا دفاع کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تو اسے تحقیقات یا ٹرائل کا انعقاد کرنا چاہیے۔[19]

اگر عدالت کے پاس یہ یقین کرنے کا جواز موجود ہو کہ مدعا علیہ ذہنی مریض ہے تو اسے ملزم کی ذہنی بیماری کے حقائق جاننے کے لیے تحقیقات کا انعقاد کرنا چاہیے، ضلع کے کسی سول سرجن یا صوبائی حکومت کی جانب سے مقرر کردہ کسی میڈیکل افسر کی جانب سے ملزم کے معائنے کا حکم دینا چاہیے اور میڈیکل افسر سے بطور گواہ جرح کرنی چاہیے اور جانچ پڑتال کو تحریری طور پر ریکارڈ کرنا چاہیے۔[20] تاہم ایسی تحقیق میڈیکل افسر کی رپورٹ تک محدود نہیں چاہیے اور عدالت اپنے فیصلے پر پہنچنے کے لیے کئی قسم کے آزادانہ عوامل جیسے کہ نفسیاتی جائزے، سماجی تاریخ اور ذہنی صحت سے متعلق جیل ریکارڈ پر غوروخوض کرسکتی ہے۔ عدالت جیل سے میڈیکل ریکارڈز، نیز خاندان کے افراد اور برادری کے افراد کو بھی طلب کرسکتی ہیتا کہ مدعا علیہ کی ذہنی صحت کی تاریخ اور جینیاتی ترتیب سے متعلق معلومات حاصل کی جاسکیں۔ علاوہ ازیں، تحقیقات کے دوران ٹرائل کو ملتوی کردیا جائے۔[21] جب سیکشن 464 اور 465 کے تحت ٹرائل ملتوی ہوجائے تو مجسٹریٹ یا عدالت کسی بھی وقت تحقیقات اور ٹرائل دوبارہ شروع کرسکتے ہیں اور سیکشن 467 کے تحت مدعا علیہ سے تقاضہ کرسکتے ہیں کہ وہ حاضر ہو یا اسے مجسٹریٹ یا عدالت کے سامنے پیش کیا جائے۔

فریقین پر یہ واجب ہے کہ وہ ماہرانہ ثبوت پر انحصار کریں اور جہاں سماعت کی عدالت کا حکم ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ کے برعکس ہو اور جہاں عدالت نے ڈاکٹر سے جرح نہ کی ہو وہاں یہ قرار دیا جائے کہ یہ حکم ضابطہ فوجداری کے سیکشن 464 اور 465 کے برعکس تھا لہٰذا اسے کالعدم قرار دیا جائے۔[22]

سراج الدین بنام افضل خان سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ کے سزا ور سزائے موت سے متعلق فیصلے کو منسوخ کرنے کے فیصلے کی توثیق کردی اور ملزم کو مرحلہ وار معائنوں کے لیے ذہنی امراض کے ہسپتال بھیجنے اور اس کی صحتیابی پر دوبارہ ٹرائل کا حکم دیا۔[23]

اگر قیدی ٹرائل کے لیے ناقابل پایا جائے تب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔ اس کی وضاحت ضابطہ فوجداری کے سیکشن 466 نے کی ہے۔ سیکشن 466 عدالت کو اجازت دیتا ہے کہ اگر مدعا علیہ ذہنی طور پر بیمار پایا جائے تو وہ اسے ضمانت پر رہا کردے یا حفاظتی تحویل میں دے دے۔

جہاں تک ضمانت کی منظوری کا تعلق ہے، اس بات کی خاطر خواہ ضمانت دی جائے کہ مدعا علیہ کی مناسب دیکھ بھال کی جائے گی اور اسے خود کو یا کسی اور شخص کو زخمی کرنے سے روکا جائے گا اور اس کی مجسٹریٹ یا عدالت یا کسی ایسے افسر کے سامنے حاضری یقینی بنائی جائے گی جسے مجسٹریٹ ضرورت کے وقت مقرر کرے۔

اظہر علی بنا ریاست میں عدالت نے کہا کہ ضمانت کے لیے بانڈ جمع کرائے جائیں؛ مدعا علیہ کی دیکھ بھال کی جائے؛ اسے خود کو یا کسی اور شخص کو زخمی کرنے سے روکا جائے اور اسے مجسٹریٹ یا کسی ایسے افسر کے سامنے پیش کیا جائے جسے مجسٹریٹ اپنی جگہ مقرر کرے۔[24]

متبادل صورت میں، عدالت یا مجسٹریٹ مدعا علیہ کو اس

16۔ (اے آئی آر 1980 کیرالا 241 (ڈی بی))

17۔ 1997 ایس سی ایم آر 239

18۔ All W.N. 47. 1900 یہ بھی دیکھیں: 1997 ایس سی ایم آر 239

19۔ [1994 ایس سی ایم آر 1574]

20۔ ایضاً۔ پی ایل ڈی 1980۔ پشاور 103 بھی ملاحظہ کریں۔

21۔ ایضاً۔ 1997 ایس سی ایم آر 239 بھی ملاحظہ کریں۔

22۔ پی ایل ڈی 1985 کراچی 549۔ 1997 ایس سی ایم آر 239 بھی ملاحظہ کریں۔

23۔ پی ایل ڈی 1997 ایس سی 847۔ یہ بھی دیکھیں: 1996 پی چی آر ایل جے 1366

24۔ 1992 پی سی آر ایل جے 2083

طرح سے حفاظتی تحویل میں رکھ سکتے ہیں جو ان کے خیال میں مناسب ہو۔ مجسٹریٹ کی عدالت کو صوبائی حکومت کو اس حوالے سے کیے گئے اقدامات کی اطلاع دینی چاہیے۔

(ii) دماغی خلل کی بناء پر بے گناہی

'دماغی خلل کی بناء پر بے گناہی' ایسا مکمل تحفظ ہے جو ذہنی بیماری سے متاثرہ شخص کو حاصل ہے۔ ضابطہ تعزیرات پاکستان کا سیکشن 84 تقاضہ کرتا ہے کہ ذہنی طور پر بیمار شخص کو فوجداری لحاظ سے کسی جرم کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔' بیمار ذہن کا فعل: ایسا کوئی اقدام جرم نہیں جو کسی ایسے شخص نے انجام دیا ہو جو اسے انجام دیتے وقت، ذہنی بیماری کی بناء پر، اس اقدام کی نوعیت یا یہ سمجھنے سے قاصر ہو کہ وہ جو کر رہا ہے یا تو غلط یا پھر قانون کے خلاف ہے'۔

جرم کی نیت یا مجرم ذہن فوجداری جرم کا لازمی جز ہے۔[25] جرم کی نیت مجرمیت کی بنیاد ہے جسے استغاثہ کو اس ثبوت کو ریکارڈ کا حصہ بناتے ہوئے ثابت کرنا ہوتا ہے کہ ملزم جانتے تھے کہ جو کچھ وہ کر رہے تھے وہ غیر قانونی تھا یا یہ کہ یہ کام بد نیتی سے اور گمراہ کن طریقے سے کیا گیا تھا۔[26] ضابطہ تعزیرات پاکستان کے تحت، تعبیری نہیں بلکہ حقیقی ارادہ درکار ہے۔[27] جہاں نفسیاتی جائزہ 'قانونی دماغی خلل' کے دائرہ کار میں آتا ہو وہاں جرم کے ارتکاب میں مجرمانہ ذہنیت، کوئی ارادہ نہیں ہو سکتا۔

طبی مہارت یا کسی فرد کے ساتھ طویل المدت تعلق کے بغیر ذہنی صحت کی کچھ حالتوں کی تشخیص بہت مشکل ہو سکتی ہے۔ وکلاء اور عدلیہ کے پاس یہ دونوں چیزیں ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے یہ بات انتہائی اہم ہے کہ ملزم کی ذہنی صحت کا جائزہ لیتے وقت طبی ماہرین کی رائے لی جائے۔ تاہم، یہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ کچھ ذہنی صحت کے ماہرین بھی فارنسک نفسیاتی علاج کے تصورات سے واقف نہیں ہیں۔

قانونی ذہنی دماغی خلل کو ثابت کرنے کے لیے پی پی سی کے سیکشن 84 کی چار شرائط میں سے تین پر پورا اترنا ضروری ہے:

(الف) کسی جرم کا ارتکاب (دیگر الفاظ میں، اگر استغاثہ یہ ثابت کرنے میں ناکام رہتا ہے کہ قیدی نے اس فعل کا ارتکاب کیا تو ذہنی صحت کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے—وہ بے قصور ہے)؛

(ب) فاتر العقلی (اسے طبی ذہنی بیماری کے وسیع تر تناظر میں پڑھا جانا چاہیے جیسا کہ ذہنی صحت کے آرڈیننس 2001ء میں بیان کیا گیا ہے)؛

(ج) فعل/جرم کی نوعیت جاننے کے قابل نہ ہونا؛ یا

(د) صحیح اور غلط کے درمیان فرق (ایک مرتبہ پھر ایک تفریقی تصور – کیا وہ جانتا ہے کہ یہ فعل غلط یا قانون کے خلاف ہے؟)۔[28]

چنانچہ، ایسا فرد جو اپنے اقدام کی نوعیت سے واقف ہو، لیکن یہ سمجھنے میں ناکام رہے کہ یہ اقدام بذات خود غلط ہے، کو جرم کی ذمہ داری سے آزاد تصور کیا جاتا ہے۔ سمجھداری کو مجرمانہ ارادے کے ساتھ گڈ مڈ نہیں کیا جانا چاہیئے جو مجرمانہ ذمہ داری کا ایک لازمی جز ہے۔[29] مثال کے طور پر، کوئی فرد رضا کارانہ طور پر مخمور ہو سکتا ہے، لیکن اگر اس پر مخصوص (عمومی کے برعکس) مجرمانہ ارادہ ثابت نہیں ہوتا تو اسے جرم کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ یہ 'دفاع' نہیں بلکہ جرم کا ایک عنصر ہے جسے استغاثہ کو شک و شبہہ سے بالاتر ہو کر ثابت کرنا ہوتا ہے۔

(iii) قلیل ذمہ داری یا قلیل اہلیت

قلیل ذمہ داری یا قلیل اہلیت سے سزا میں تخفیف کرنے والے عوامل یا جرم سے جزوی تحفظ کے طور پر کام لیا جا سکتا ہے۔

موجودہ پاکستانی قانون کے تحت، مکمل فاتر العقلی معقول دفاع تصور کی جاتی ہے؛ نا قابل مزاحمت محرک یا قلیل ذمہ داری کو کم از کم ایک جزوی دفاع اور سزا میں کمی کا باعث بننے والے عنصر کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، جس کا انحصار مقدمے کے حقائق پر ہوتا ہے۔[30]

دی برٹش رائل کمیشن کی سزائے موت سے متعلق رپورٹ، 1953ء میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ 'ہندوستان اور پاکستان میں عدالت قلیل ذمہ داری کو سزائے موت کی بجائے عمر قید کی سزا دینے کے جواز کے طور پر زیر غور لا سکتی ہے۔[31]

'قلیل ذمہ داری' کے دفاع کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے '، حتیٰ کہ قتل کے الزام کا سامنا کرنے والا شخص فاتر العقل نہ بھی ہو تو پھر بھی ہمارا قانون اس بات کو تسلیم کرتا ہے۔۔۔۔ کہ، اگر وہ اس حد تک کسی قسم کی علالت یا دماغی خلل یا کم عقلی کا شکار تھا کہ اسے اس کے اعمال کا مکمل طور پر ذمہ دار نہ ٹھہرایا جا سکتا ہو، تو اس کے نتیجے میں، اس طرح کے مقدمے میں اس جرم کے معیار میں تخفیف کر کے اسے قتل سے قابل گرفت قتل میں تبدیل کر دیا جائے گا'۔[32]

سزائے موت کا کوئی بھی منصوبہ خود کار موت کی سزا عائد نہیں کرتا؛ سزا کو 'بنی نوع انسان کی مختلف النوع اخلاقی کمزوریوں' کو مدنظر رکھنا چاہیے۔[33] قانون واضح طور پر سزا میں کمی کا باعث بننے والے حالات کی وسیع اقسام متعارف کرائے جانے کی اجازت دیتا ہے، تاکہ عدالتوں کو کم سزائیں دینے کی ترغیب دی جا سکے۔ عدالت کم سزا دینے میں اس وقت حق بجانب ہوگی جب یہ سزا کو کم کرنے والے حالات کی موجودگی سے مطمئن ہو۔[34]

ذہنی معذوری کا مطلب ہیکہ سیکھنے، سمجھنے، معلومات کی تشریح، اور مسئلے کے حل میں مشکل پیش آنا۔ یہ کوئی بیماری نہیں بلکہ ایک ایسی حالت ہے جو عام طور پر پیدائش سے موجود ہوتی ہے۔ ذہنی بیماری جذبات، مزاج، تصورات، اور رویے کو متاثر کرتی ہے۔ یہ کسی پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے اور کسی بھی عمر میں ظاہر ہو سکتی ہے۔ یہ ایک عارضی حالت بھی ہو سکتی ہے اور ساری عمر بھی وقوع پذیر ہو سکتی ہے۔ ذہنی بیماری کا علاج ادویات اور نفسیاتی معاونت کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

ذہنی معذوری اور ذہنی بیماری دونوں ہی جرم کی نیت، جو جرم کا ذہنی عنصر ہوتا ہے، پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہیکہ کوئی فرد اپنے اعمال کا کا مجرمانہ طور پر کم ذمہ دار ہو سکتا ہے کیونکہ یا تو اس کا جرم کا ارادہ نہیں تھا یا پھر وہ اپنے رویے کو قانون کے مطابق بنانے کے قابل نہیں تھا۔ ان کی دماغی کمزوری کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال کے اثرات کو پر معنی طور پر سراہ نہیں سکتے، نہ ہی وہ مخصوص

25۔ پی ایل ڈی 1967 ایس سی 1۔

26۔ 2000 پی۔سی۔آر۔ایل۔جے 1105 (بی)، (27)۔ 1995 پی۔سی۔آر۔ایل۔جے 1807 (بی)، (28)۔ مہربان بنام ریاست (پی ایل ڈی 2002 ایس سی 92)۔

29۔ (پی ایل ڈی 1967 ایس سی 1)۔ (30)۔ پی ایل ڈی جریدہ 201)

31۔ فرینکوئس لیر یو، قلیل ذمہ داری سے متعلق منتخب کتابیات، 66 (2003) پر، برطانیہ میں رائل کمیشن برائے سزائے موت کی رپورٹ کا حوالہ، 1963-1949، 413، پیرا 13۔

32۔ آر بنام بریتھ ویٹ، 1945ء، جے۔سی 55،

33۔ ووڈسن بنام شمالی کیرولینا، U.S. 280, 304, 428 (1976) (نوع انسانی کی کسی بھی قسم کی مختلف النوع اخلاقی کمزوریاں سزا کو کم کرنے والے عوامل پیدا کرتی ہیں جنہیں سزا کا فیصلہ کرتے وقت قانونی طور پر ملحوظ خاطر رکھا جانا چاہیئے)؛ لاکٹ بنام اوہائیو، U.S. 586438 (1978) سزا کے وقت 'مدعا علیہ کے کردار یا ریکارڈ کے ایسے کسی بھی پہلو کو مدنظر رکھا جائے۔۔۔ جنہیں مدعا علیہ موت سے کم سزا کی بنیاد کے طور پر ترجیح دیتا ہو)۔ (34)۔ (پی ایل ڈی ایس سی 109)، (35) Footnot Missing

مجرمانہ اقدامات کے وقوع پذیر ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کسی بچے کی طرح، وہ مجرمانہ طور پر کم ذمہ دار ہیں اور انہیں کم سزا دی جانی چاہئے۔

قلیل ذمہ داری کے حوالے سے، عمر اور ذہنی کمزوری میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ جہاں دو ملزم ہوں، وہاں عمر میں چھوٹے ملزم کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے عمر میں خود سے بڑے ملزم کے زیر اثر کوئی اقدام کیا ہو۔ اگر یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ نوعمر فرد، ملزم کو بیرونی اثر سے غیر محفوظ بناتے ہوئے ذمہ داری میں تخفیف کر دیتا ہے تو پھر اسی وجہ سے ذہنی کمزوری کو بھی سزا میں کمی کرنے والے عنصر کے طور پر سمجھنا چاہئے۔

ملکی اور بین الاقوامی قوانین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ فوجداری نظام انصاف میں، ذہنی کمزوری کا شکار افراد دوسروں کی نسبت زیادہ غیر محفوظ اور جرم کے کم ذمہ دار ہیں۔

وہ زیادہ غیر محفوظ ہیں کیونکہ ان سے جھوٹا اقبال جرم کرائے جانے کا زیادہ امکان ہے، اس کے ساتھی مدعا علیان جھوٹے دلائل پیش کر کے اس پر گروہ کا سرغنہ ہونے کا جھوٹا الزام عائد کرسکتے ہیں، وہ اپنے دفاع کے حوالے سے اپنے وکیل کی زیادہ معاونت نہیں کرسکتے، اپنے لیے ناقص شہادتیں پیش کرسکتے ہیں، ندامت کا اظہار کرنے کے قابل نہیں ہوسکتے، جس سے انہیں سخت سزا دیے جانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، وہ ناجائز سزا کے خصوصی خطرے سے دوچار ہوتے ہیں کیونکہ ان کی معذوری 'خطرناک' سمجھی جاسکتی ہے۔ عین اسی وقت، وہ اصل سے کم مجرم ہیں کیونکہ وہ اپنے اقدامات کے نتائج کو سمجھنے سے قاصر ہیں، اپنے رویے پر قابو پانے کے قابل نہیں ہیں، سزا کی دھمکیاں ان کی راہ میں مزاحم نہیں ہوسکتیں اور ممکن ہے کہ وہ بغیر سوچے سمجھے کوئی کام کر جائیں اور کسی مجرمانہ سرگرمی کا ارتکاب کرلیں۔

ماہرانہ نفسیاتی صحت کے جائزے کے بغیر اس بات کا تعین کرنا ناممکن ہے کہ کسی فرد کو ذہنی معذوری لاحق ہے۔ بہت سے لوگ اپنی حالت کو چھپانا سیکھ لیتے ہیں تا کہ کوئی انہیں تنگ نہ کرے یا ان کے ساتھ امتیاز نہ برتا جاسکے، اور ذہنی معذوری کا شکار تمام لوگوں میں معذوری کی واضح علامات نہیں ہوتیں جیسے کہ بولنے میں مشکل یا چہرے کے خدوخال۔ یہ ضروری ہے کہ ماہرین اس حالت کا پتا لگانے کے لیے ٹیسٹوں کا اہتمام کریں۔

آٹکنز بنام ورجینیا میں سپریم کورٹ آف امریکا نے تسلیم کیا کہ 'ذہنی معذوری کا شکار افراد استدلال، بصیرت، اپنے ہیجانات پر قابو پانے کے حوالےسے، اخلاقی ذمہ داری سے کام انجام نہیں دیتے جو سنگین ترین مجرمانہ طرز عمل کا باعث بنتا ہے۔ علاوہ ازیں، ان کی معذوریاں سزائے موت کے مقدمات کی کارروائی کی معتبریت اور غیر جانبداری پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔' عدالت نے ہال بنام فلوریڈا میں آٹکنز کے فیصلے کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اپنے مؤقف کو پھر سے دہرایا کہ ذہنی معذوری کا شکار افراد پھانسی دیے جانے کے اہل نہیں تھے۔ عدالت نے خاص طور پر اس بات کی نشاندہی کی کہ ذہنی معذوری کا شکار فرد کو پھانسی دینے سے 'ان افراد کے ٹرائل کی ساکھ کو نقصان پہنچ سکتا ہے جنہیں' ناجائز پھانسی دیے جانے کے خصوصی خطرے کا سامنا ہے' کیونکہ ان کی جانب سے جھوٹے اقبال جرم کا زیادہ امکان ہے، وہ اکثر ناقص گواہ ہوتے ہیں، اور اپنے وکیل کی پر مقصد معاونت کے قابل نہیں ہوتے۔[36]

(iv) پھانسی دیے جانے کی اہلیت

بین الاقوامی قانون ذہنی طور پر بیمار سزائے موت کے منتظر قیدیوں کی پھانسی کی ممانعت کرتا ہے چاہے بیماری جرم کے ارتکاب کے وقت یا پھر پھانسی کے وقت موجود ہو۔[37]

اگرچہ پاکستانی قانون اور فلسفہ قانون میں ذہنی طور پر معذور قیدیوں کی پھانسی کی واضح طور پر ممانعت نہیں کی گئی، ایسی بے انصافی کو روکنے کے لیےحفاظتی اقدامات موجود ہیں۔ پاکستان جیل ضوابط 1978ء کے اصول نمبر 444 اور 445 کے تحت، سپرینٹنڈنٹ اس قیدی کی رپورٹ حاصل کرے جو کسی ذہنی خلل کا شکار ہو، اور اسے چاہئے کہ وہ یہ مقدمہ انسپکٹر جنرل کو جمع کرائے تا کہ حکومت کی طرف سے ذہنی صحت کے مرکز منتقلی کے احکامات جاری کرائے جاسکیں۔ تاہم، اگر یہ مقدمہ دماغی خلل کی وجہ سے اشد ضروری سمجھا جائے تو سپرینٹنڈنٹ سرکاری حکم نامے کی غیر موجودگی میں، اصول نمبر 447 کے تحت مدعا علیہ کو ذہنی صحت کیمرکز منتقل کرسکتا ہے۔

برطانیہ نے 1998ء میں سزائے موت کو ختم کردیا، لیکن بلیک سٹون کے تبصرے یہ رہنما اصول فراہم کرتے ہیں کہ ذہنی معذوری کا عقلی معذوری کا شکار لوگوں کی اہلیت کو کیسے سمجھا جائے۔ پھانسی دیے جانے کی اہلیت کے حوالے سے بلیک سٹون نے لکھا ہے کہ: اگر ایسے شخص کا ٹرائل کیا جائے اور وہ قصوروار پایا جائے، وہ فیصلے سے پہلے ہی اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے، تو فیصلے کا اعلان نہیں کیا جائے گا؛ اور اگر فیصلے کے بعد وہ غیر معقول یادداشت کا شکار ہوجاتا ہے تو پھانسی روک دی جائے گی؛ اتفاقیہ طور پر، برطانوی قانون کی انسانیت کہتی ہے کہ اگر قیدی کی ذہنی حالت درست تھی تو وہ فیصلے یا پھانسی کے خلاف کچھ کہہ سکتا تھا۔[38]

چونکہ ذہنی یا عقلی معذوری کا شکار ملزم اپنا مکمل دفاع کرنے کے قابل نہیں ہوگا، بلیک سٹون نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ایسے شخص کی پھانسی 'انتہائی غیر انسانی اور ظالمانہ' ہوگی اور یہ دوسروں کے لیے کوئی اچھی مثال نہیں ہوسکتی۔'[39]

فورڈ بنام وین رائٹ میں امریکی سپریم کورٹ کے مطابق، امریکا کا آئین کسی 'فاتر العقل' یا ذہنی طور پر بیمار فرد کی پھانسی کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ سابق مقدمات کے برعکس جہاں عدالت نے صرف اس بات پر غور کیا کہ آیا ریاست کا فاتر العقلی کا پتا لگانے کا طریقہ کار ذہنی معذوری کا شکار فرد کو پھانسی نہ دینے کی پالیسی سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں، فورڈ مقدمے میں عدالت نے آٹھویں ترمیم کے تحت 'سزائے موت کے طریق کار سے متعلق پہلوؤں اور بنیادی پہلوؤں دونوں کا جائزہ لیا'۔[40] اس کی بجائے، جسٹس پاول نے اپنی متفقہ رائے میں پھانسی دیے جانے کی اہلیت سے متعلق ایک زیادہ واضح، اگرچہ محدود، معیار فراہم کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ 'آٹھویں ترمیم صرف ان افراد کی پھانسی کی ممانعت کرتی ہے جو خود کو دی جانے والی سزا اور اس بات سے ناواقف ہوں کہ انہیں اس سزا کا سامنا کیوں کرنا پڑے گا'۔[41] اس کا کہنا ہے کہ ایسا شخص جو اپنی نااہلیت کی بناء پر پھانسی روکے جانے کا خواہاں ہو اسے معین طریقہ کار کی شق کیتحت طریقہ کار سے متعلق تحفظ' کے ساتھ منصفانہ سماعت کا حق دیا جائے گا، جس میں 'ریاست کی جانب سے مقرر کردہ ماہر نفسیات کی جانب سے کیے گئے معائنوں کے علاوہ بھی بہت کچھ شامل ہوگا'۔[42] فورڈ مقدمے میں اپنے فیصلے کے بعد، سپریم کورٹ نے قرار دیا کہ آٹھویں ترمیم عقلی طور پر معذور افراد کی پھانسی کو بھی ممنوع قرار دیتی ہے۔

36۔ ہال بنام فلوریڈا، 134 S. Ct. 1986, 1988 (U.S. 2014). (37) ایضاً، 35

(38) ولیم بلیک سٹون، 'برطانیہ کے قوانین پر تبصرے' جلد 4۔ (ریس ویلش اینڈ کو۔ 1902): 25-24

(39) ایضاً، 25۔

(40)۔ فورڈ بنام وین رائٹ، 477 U.S. 399, 405 (U.S. 1985)

(41) ایضاً، 422 (پاول، ج۔، متفقہ رائے)۔ (42) ایضاً، 424 پر۔ (43) ایضاً، 25۔

ذہنی طور پر بیمار سزائے موت پانے والے قیدی کی پھانسی کے مکمل طور پر غیر انسانی ہونے کے علاوہ، ایسا کرنا نہ تو کسی اصلاحی مقصد کو پورا کرتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی جواز ہے۔[43]

جسٹس ولیم وین کے مطابق، 'اگر ہم اپنی رضامندی سے برا کام کرنے والوں اور غیر متوازن ذہنوں کی بناء پر خوفناک سرگرمیاں انجام دینے والوں میں فرق کرنے کی اخلاقی ضرورت کو رد کردیں، تو ہم ان لوگوں کے ساتھ زیادتی کریں گے'۔

اسلامی قانون ذہنی بیماری کا شکار افراد کو سزائے موت دیے جانے کی ممانعت کرتا ہے

اٹھارہویں صدی کے اسلامی سکالر، علامہ سید محمد امین ابن عابدین لکھتے ہیں:

'اگر کسی سزائے موت پانے والے مجرم میں سزا کے نفاذ سے پہلے فاتر العقلی کی تشخیص ہوجائے تو اس کی جرم کے بعد کی فاتر العقلی اسے سزائے موت سے بچالے گی، لیکن وہ اب بھی بدلہ خون دینے کا مستوجب ہوگا، مگر شرط یہ ہے کہ یہ فاتر العقلی مستقل نوعیت کی ہو'۔

امام ابو حنیفہ کے مطابق، فاتر العقل کی سزا پر عمل درآمد اس وقت روک دیا جائے گا جب اسے قصاص کی سزا سنائی گئی ہو اور سزا سنائے جانے کے بعد، اور اس کی جانب سے متاثرہ فرد کے ورثاء کو سزا کاٹے جانے کی یقین دہانی کے بعد، اگر وہ فاتر العقلی کا شکار ہوجاتا ہے تو پھر قصاص کو دیت میں بدل دیا جائیگا۔

یہ کہاوت کہ فاتر العقلی وقوع پذیر ہونے کی بناء پر سزا پر عملدرآمد روک دیا جاتا ہے، دو عوامل پر مبنی ہے:

الف۔ سزا اس کارندے کی ذمہ داری سے متعلق پیشگی قیاس کرلیتی ہے جسے سزا سنائی گئی ہو، جیسے کہ، وہ اپنے اعمال کا جوابدہ ہے۔ چونکہ سزا پر اس وقت عمل کیا جاتا ہے جب یہ کسی عدالت کی طرف سے سنائی گئی ہو، اس لیے یہ ضروری ہے کہ سزا کی شرط موجود ہو، یعنی قانونی کارروائی کے دوران مجرم کی ذہنی حالت ٹھیک ہونی چاہیے۔

ب۔ عدالت کی جانب سے سزا کا اعلان عدالتی کارروائی کی انتہا ہے۔ چونکہ ایسی کارروائی کی شرط یہ ہے کہ ملزم ایک ذمہ دار فرد ہونا چاہیے، یہ ضروری ہے کہ وہ اس وقت بھی ایک ذمہ دار شخص ہو جب سزا پر عمل درآمد کیا جارہا ہو؛ بالکل ایسے ہی جیسے کہ سزا کا نفاذ پوری عدالتی یا قانونی کارروائی کا ماحصل ہوتا ہے کہ سزا اس وقت نافذ العمل متصور ہوگی جب مجرم اسے بھگتنے کے لیے تیار ہو۔

چنانچہ، حنفی فلسفہ قانون کے تحت، جسمانی سزا ان مقدمات میں منسوخ ہوجاتی ہے جب مجرم فاتر العقلی کا شکار ہوجائے۔

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ذہنی طور پر بیمار شخص کو موت کی سزا دینا شریعت کے اصولوں کے منافی ہوگی۔ شیخ ڈاکٹر کمال سلیمانی، مولانا محمد شاہد رضا اور ڈاکٹر مامدو بوکوم کی جانب سے جاری کیے گئے ایک فتوے میں کہا گیا ہے کہ:

'اسلام میں مسلمانوں کو ان کے اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے اور قرآن کے مطابق، اسے دوسروں کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ پیغمبرانہ روایات بھی اس نقطہ نظر کی تائید کرتی ہیں۔ تاہم، جب کوئی فرد اپنی ذہنی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے تو ان کے اعمال کے بدلے میں ان کی جوابدہی بھی ختم ہوجاتی ہے۔ چنانچہ، ایسا فرد جو فاتر العقل تصور کیا جائے وہ کسی بھی قسم کی مذہبی ذمہ داریاں ادا کرنے کا بھی پابند نہیں۔۔۔ کسی فاتر العقل شخص کو اس کے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرانا اسلام کی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس مسئلے پر اسلامی اسکالروں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں'۔

بین الاقوامی قانون اور ذہنی بیماریوں کا شکار افراد کا تحفظ

2007ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کرتے ہوئے تمام ریاستوں سے مطالبہ کیا کہ وہ:

'سزائے موت کا استعمال بتدریج محدود کریں اور ان جرائم پر موت کی سزا نافذ نہ کریں جن کا ارتکاب 18 سال سے کم عمر افراد، حاملہ خواتین یا پھر ذہنی یا عقلی معذوری کا شکار افراد نے کیا ہو'[44]

اقوام متحدہ کا رکن ہونے کے ناتے، حکومت پاکستان نے انسانی حقوق کے ان متعدد معاہدوں کی پاسداری پر رضامندی ظاہر کی ہے جو ذہنی بیماریوں سے متاثرہ افراد کو حقوق اور خصوصی تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ ان میں شامل ہے:

معذوری سے متاثر افراد کے حقوق کا معاہدہ

پاکستان نے جولائی 2011ء میں سی آر پی ڈی کی توثیق کی۔ معاہدے کا آرٹیکل 14 آزادی کے حق اور معذوری کا شکار تمام افراد اور 'بالخصوص عقلی معذوری اور نفسیاتی معذوریوں کا شکار افراد کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔[52] آرٹیکل 13 جس کا عنوان 'انصاف تک رسائی' ہے کہتا ہے:

(1) فریق ریاستیں دیگر افراد کے مساوی بنیادوں پر معذوری کا شکار افراد کی انصاف تک مؤثر رسائی کو یقینی بنائیں گی، بشمول باضابطہ اور عمر کے لحاظ سے مناسب انتظامات کے ذریعے، تاکہ تمام قانونی کارروائیوں، بشمول تفتیشی اور دیگر ابتدائی مراحل میں ان کے بطور بلاواسطہ اور بالواسطہ شرکاء، بشمول بطور گواہ مؤثر کردار کے حوالے سے آسانی پیدا کی جاسکے۔

(2) معذوری کا شکار افراد کی انصاف تک رسائی کو یقینی بنانے کے لیے، فریق ریاستیں انصاف کے انتظام وانصرام کے شعبے میں کام کرنے والوں بشمول، پولیس اور جیل عملے کی مناسب تربیت کو فروغ دیں گی۔

معاہدے کے آرٹیکل 13 میں انصاف تک رسائی کی دفعہ نہ صرف ہمیں اس بات کی یاد دہانی کراتی ہے بلکہ اس کی تصدیق بھی کرتی ہے کہ معذوری کا شکار افراد کو قانونی نمائندگی اور تحفظ میں مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔ معذوری کا شکار افراد کو اکثر تیزی سے کمیاب ہوتی مفت یا کم خرچ قانونی خدمات پر انحصار کرنا پڑتا ہے اور اسی لیے ان کے پاس اس حوالے سے چناؤ کا اختیار نہیں ہوتا کہ ان کی نمائندگی کون کرے گا، اور ان کی قانونی نظام کے بارے میں سمجھ بوجھ اور اس تک رسائی محدود ہوتی ہے۔ ماہرانہ قانونی خدمات کی لاگت اور دستیابی سے متعلق مسائل کا ادراک کرنا بھی انتہائی اہم ہے۔

معذوری کا شکار افراد کے حقوق کی کمیٹی، جو کہ معاہدے کی نگران باڈی ہے، نے قرار دیا ہے کہ ایسے مشتبہ مجرم جنہیں ٹرائل کے لیے غیر موزوں قرار دیا گیا ہو، انہیں نہ تو جرم کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی قید کیا جاسکتا ہے۔ کمیٹی نے تجویز دی ہے کہ 'معذوری کا شکار تمام افراد جن پر جرائم کا الزام عائد کیا گیا ہو اور۔۔۔ جنہیں بغیر ٹرائل کے جیلوں اور اداروں میں قید رکھا گیا ہو، کو جرائم کے الزامات کے خلاف اپنا دفاع کرنے کی اجازت ہے، اور انہیں مطلوبہ معاونت اور سہولت فراہم کی جائے تاکہ ان کی مؤثر شرکت میں آسانی پیدا کی جاسکے،[53] نیز منصفانہ ٹرائل اور معین طریقہ کار کو یقینی بنانے

44۔ سزائے موت کے استعمال پر پابندی سے متعلق اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی قرارداد.(UN General Assembly A/Res/69/ 186) Para 5(d)

45۔ جیسے کہ دیکھیں: آشنگ ڈین بنام برطانیہ، 1985) 93 Eur. Ct. H.R. (ser. A) at 19 (ایسے ذہنی معذور فرد سے متعلق بحث جس کا دعویٰ ہو کہ اس کی تحت سیکیورٹی کے حامل ہسپتال منتقلی کا نتیجہ اس کی آزادی سے محرومی کی صورت میں نکلا ہے)۔

46۔ جیسے کہ ملاحظہ کریں: ونٹروِرپ بنام ہالینڈ 1979) 33 Eur. Ct. H.R. (ser. A) at 24-25 یہ معلوم کرنا کہ ہالینڈ میں ذہنی معذور افراد ایکٹ کے حوالے سے عدالتی کارروائیاں ای سی ایچ آر کے آرٹیکل کے سیکشن 4 کے تحت ناکافی باضابطہ تحفظات تھے)۔

47۔ اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی کمیٹی، عمومی تبصرہ نمبر 18، عدم امتیاز، اقوام متحدہ کے سرکاری ریکارڈ، .Records Suppl. No. 40 (A/45/40): 173-175

کے لیے طریقہ کار سے متعلق سہولیات فراہم کی جاسکیں۔[54]

کمیٹی نے کہا ہے کہ معاہدے کے تحت ذہنی طور پر بیمار افراد کے مقدمات کی فوجداری کارروائیوں میں، قید یا دیگر اقسام کی حراست کے ذریعے آزادی سے محرومی صرف اس صورت میں ہونی چاہئے جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو اور جب متبادل راستے کے پروگرام، بشمول قابل بحالی انصاف، مستقبل کے جرائم کو روکنے کے لیے ناکافی ہو۔[55]

کمیٹی نے حراستی مقامات، خاص کر جیلوں میں رہن سہن کے ناقص حالات پر تشویش کا اظہار کیا ہے اور تجویز کیا ہے کہ فریق ریاستیں یقینی بنائیں کہ حراستی مقامات قابل رسائی ہوں اور یہ رہن سہن کے انسانی حالات فراہم کرتے ہوں۔ اس نے حال ہی میں تجویز کیا ہے 'کہ اداروں میں رہن سہن کے خراب حالات میں بہتری کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔' اس کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ فریق ریاستیں ایسے مناسب بندوبست کی فراہمی کے لیے قانونی فریم ورک تشکیل دیں جو معذوری کا شکار افراد کے وقار کا تحفظ کریں، اور اس حق کی جیلوں میں قید افراد کے لیے بھی ضمانت دیں۔[57] اس نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ معاہدے کے قانونی نمونے کی مطابقت میں انصاف اور جیل کے حکام کے لیے تربیتی نظام ہائے کار کو فروغ دیا جائے۔'[58]

کمیٹی نے یہ بھی کہا ہے کہ معاہدے کے تحت ایک فریق کو یہ یقینی بنانے کے لیے تمام متعلقہ اقدامات کرنے چاہئیں کہ زیر حراست معذوری کا شکار افراد اپنے حراستی مقام میں آزادانہ طور پر رہ سکیں اور روزمرہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں مکمل شرکت کر سکیں۔ کمیٹی نے یہ بھی کہا کہ ان افراد کی مساوی بنیادوں پر مختلف شعبوں اور خدمات، جیسے کہ غسل خانوں، احاطوں، لائبریریوں، مطالعے کی جگہوں، ورکشاپوں اور طبی، نفسیاتی، سماجی اور قانونی خدمات تک رسائی کو بھی یقینی بنایا جائے۔ کمیٹی نے زور دیا ہے کہ رسائی اور مناسب بندوبست کی کمی معذوری کا شکار افراد کو حراست کے ایسے غیر معیاری حالات سے دوچار کر دیتی ہے جو معاہدے کے آرٹیکل 17 کے متضاد ہیں۔

ذہنی طور پر پسماندہ افراد سے متعلق اعلامیہ

1971ء میں، اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 'ذہنی طور پر پسماندہ افراد سے متعلق اعلامیہ' (ایم آر اعلامیہ) منظور کیا۔ اعلامیے کے تحت، ذہنی معذوری کا شکار افراد کو 'دوسرے انسانوں جیسے حقوق حاصل ہیں'، جو ایسے معین طریق کار کے بغیر محدود نہیں کیا جاسکتے 'جس میں ہر قسم کی زیادتی کے خلاف باقاعدہ قانونی تحفظات کا شامل ہونا ضروری ہے۔' محض طبی تشخیص پر انحصار کرنے کی بجائے، ایم آر اعلامیہ ذہنی معذوری کا شکار ہر فرد کو کسی 'قابل ماہر' کے ذریعے اپنی 'سماجی قابلیت' کی جانچ کا حق دیتا ہے۔ نااہلیت کے کسی بھی دعوے کا مرحلہ وار جائزہ لیا جانا چاہئے، اور ایسا فرد جس کے حقوق محدود کیے گئے ہوں اسے عدالت میں اپیل کا حق حاصل ہے۔

اعلامیہ آرٹیکل 6 کے تحت مزید کہتا ہے کہ 'ذہنی طور پر پسماندہ فرد کو استحصال، زیادتی اور ذلت آمیز سلوک سے تحفظ کا حق ہے۔ اگر اس کے خلاف کسی جرم کی بناء پر قانونی کارروائی کی گ ءہو تو اسے قانون کے معین طریقہ کار کا مکمل حق ہوگا اور اس کی ذہنی ذمہ داری کے درجے کو مکمل طور پر تسلیم کیا جائے گا۔'

اس کے علاوہ آرٹیکل 7 کہتا ہے:

'جب بھی ذہنی طور پر پسماندہ افراد، اپنی معذوری کی شدت کی بناء پر، اپنے تمام حقوق کو معنی خیز طریقے سے استعمال کرنے سے قاصر ہوں یا ان کے کچھ یا تمام حقوق کو رد کرنا ضروری ہو جائے تو اس پابندی یا حقوق کی نفی کے لیے استعمال کیے گئے طریقہ کار میں ہر قسم کی زیادتی کے خلاف مناسب حفاظتی اقدامات شامل ہونے چاہئیں۔ یہ طریقہ کار قابل ماہرین کی جانب سے ذہنی پسماندگی کا شکار افراد کی سماجی اہلیت کے جائزے پر مبنی ہونا چاہئے اور اسے مرحلہ وار جائزے اور اعلیٰ حکام کو اپیل کے حق کے تابع ہونا چاہئے۔

سزائے موت کا سامنا کرنے والے افراد کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دینے والے حفاظتی اقدامات (ای سی او ایس او سی قرارداد 50/1984 مئی 1984ء کی جانب سے منظور شدہ)

ذہنی طور پر پسماندہ افراد سے متعلق اعلامیہ[59]

1971ء میں، اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 'ذہنی طور پر پسماندہ افراد سے متعلق اعلامیہ' (ایم آر اعلامیہ) منظور کیا۔ اعلامیے کے تحت، ذہنی معذوری کا شکار افراد کو 'دوسرے انسانوں جیسے حقوق حاصل ہیں'، جو ایسے معین طریق کار کے بغیر محدود نہیں کیا جاسکتے 'جس میں ہر قسم کی زیادتی کے خلاف باقاعدہ قانونی تحفظات کا شامل ہونا ضروری ہے۔' محض طبی تشخیص پر انحصار کرنے کی بجائے، ایم آر اعلامیہ ذہنی معذوری کا شکار ہر فرد کو کسی 'قابل ماہر' کے ذریعے اپنی 'سماجی قابلیت' کی جانچ کا حق دیتا ہے۔

نااہلیت کے کسی بھی دعوے کا مرحلہ وار جائزہ لیا جانا چاہئے، اور ایسا فرد جس کے حقوق محدود کیے گئے ہوں اسے عدالت میں اپیل کا حق حاصل ہے۔

اعلامیہ آرٹیکل 6 کے تحت مزید کہتا ہے کہ 'ذہنی طور پر پسماندہ فرد کو استحصال، زیادتی اور ذلت آمیز سلوک سے تحفظ کا حق ہے۔ اگر اس کے خلاف کسی جرم کی بناء پر قانونی کارروائی کی گ ءہو تو اسے قانون کے معین طریقہ کار کا مکمل حق ہوگا اور اس کی ذہنی ذمہ داری کے درجے کو مکمل طور پر تسلیم کیا جائے گا۔'

اس کے علاوہ آرٹیکل 7 کہتا ہے:

'جب بھی ذہنی طور پر پسماندہ افراد، اپنی معذوری کی شدت کی بناء پر، اپنے تمام حقوق کو معنی خیز طریقے سے استعمال کرنے سے قاصر ہوں یا ان کے کچھ یا تمام حقوق کو رد کرنا ضروری ہو جائے تو اس پابندی یا حقوق کی نفی کے لیے استعمال کیے گئے طریقہ کار میں ہر قسم کی زیادتی کے خلاف مناسب حفاظتی اقدامات شامل ہونے چاہئیں۔ یہ طریقہ کار قابل ماہرین کی جانب سے ذہنی پسماندگی کا شکار افراد کی سماجی اہلیت کے جائزے پر مبنی ہونا چاہئے اور اسے مرحلہ

48۔ جیسا کہ اقوام متحدہ کی انسانی حقوق سے متعلق ہائی کمشنر، میری رابنسن نے کہا ہے، 'صحت کے حق کا مطلب صحت مند ہونے کا حق نہیں ہے، نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ غریب حکومتوں کو صحت کی ایسی مہنگی خدمات متعارف کرانی چاہئیں جن کے لیے ان کے پاس وسائل نہ ہوں۔ لیکن حکومتوں اور صحت عامہ کے اداروں پر لازم ہے کہ وہ ایسی پالیسیاں اور ایکشن پلان شروع کریں جو کم سے کم ممکنہ وقت میں تمام لوگوں کے لیے دستیاب اور قابل رسائی نگہداشت صحت کا باعث بنیں۔ اس بات کو یقینی بنانا ایک ایسا چیلنج ہے جو انسانی حقوق کی برادری اور صحت عامہ کے ماہرین دونوں کو درپیش ہے۔' عالمی ادارہ صحت، صحت اور انسانی حقوق سے متعلق سوال وجواب۔ 49۔ ایضاً۔ 50۔ صحت کے اعلیٰ ترین قابل حصول معیار کے حق سے متعلق عمومی تبصرہ نمبر 14 (2000) (E/C.12/2000/4)

(عالمی معاہدہ برائے معاشی، سماجی وثقافتی حقوق کا آرٹیکل 12)، جس کی معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کی کمیٹی نے اپریل/مئی 2000ء میں اپنے بائیسویں اجلاس میں منظوری دی تھی۔

51۔ وِکٹر روزاریو کانگو کا کیس، بین امریکی کمیشن برائے انسانی حقوق کی رپورٹ 99/29، کیس 11427، ایکواڈور جس کی اجلاس نمبر 1424 میں منظوری دی گئی، OEA/Ser/L.V/II.) Doc. 26, March 9, 1999, para. 54) کمیشن نے مزید کہا کہ یہ اصول ذہنی صحت کے نظام ہائے کار کے ڈیزائن اور اس کی اصلاح کے حوالے سے ریاستوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور موجودہ نظام ہائے کار کی سرگرمی کا جائزہ لینے میں انتہائی سود مند ہیں۔ 52۔ 13 دسمبر 2006 کو منظور کیا گیا۔ مکمل متن www.un.org/disabilities/convention/conventionfull/shtml. پر دستیاب ہے۔ معذوری کا شکار افراد کا معاہدہ (سی آر پی ڈی) 3 مئی 2008ء کو نافذ ہوا۔

وار جائزے اور اعلیٰ حکام کو اپیل کے حق کے تابع ہونا چاہئے۔

سزائے موت کا سامنا کرنے والے افراد کے حقوق کیتحفظ کی ضمانت دینے والے حفاظتی اقدامات (ای سی او ایس او سی قرارداد 50 / 1984 مئی 1984ء کی جانب سے منظور شدہ)

اقوام متحدہ کی معاشی و سماجی کونسل (ای سی او ایس او سی) نے 1984ء میں 'سزائے موت کا سامنا کرنے والے افراد کے حقوق کیتحفظ کی ضمانت دینے والے حفاظتی اقدامات' کی منظوری دی۔ اسی سال، اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ان حفاظتی اقدامات کی تائید کی۔ سزائے موت کا سامنا کرنے والے افراد کے حقوق کیتحفظ کی ضمانت دینے والے حفاظتی اقدامات ایسے کم از کم معیارات کا خلاصہ کرتے ہیں جن کا ان ممالک پر اطلاق کیا جاتا ہے جنہوں نے سزائے موت کا استعمال جاری رکھا ہوا ہے۔[60]

تیسرا حفاظتی اقدام کہتا ہے کہ:

3'۔ ایسے افراد جن کی عمر جرم کے ارتکاب کے وقت 18 سال سے کم تھی انہیں موت کی سزا نہیں دی جائے گی، نہ ہی سزائے موت کا حاملہ خواتین، یا حال ہی میں ماں بننے والی خواتین، یا ان افراد پر اطلاق کیا جائے گا جو فاتر العقل ہو چکے ہوں۔'

معاشی اور سماجی کونسل نے 1988ء میں تیسرے حفاظتی اقدام میں ان الفاظ کا اضافہ کیا کہ 'ذہنی پسماندگی یا انتہائی محدود اہلیت سے متاثرہ افراد'۔

اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے 2015ء اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کو دی گئی رپورٹ 'سزائے موت اور سزائے موت کا سامنا کرنے والے افراد کے تحفظ کی ضمانت دینے والے حفاظتی اقدامات پر عملدرآمد'[61] میں ان حفاظتی اقدامات کو اس طرح سے بیان کیا ہے:

'تیسرے حفاظتی اقدام کے تحت سزائے موت سے تحفظ پانے والے افراد کی آخری زمرہ بندی میں وہ 'افراد شامل ہیں جو فاتر العقل ہو گئے ہوں۔' معاشی و سماجی کونسل نے بعد ازاں اس میں اضافہ کرتے ہوئے سفارش کی رکن ریاستیں 'ذہنی پسماندی یا انتہائی محدود ذہنی قابلیت، چاہے سزا یا پھر پھانسی کے مرحلے پر، سے متاثرہ افراد کے لیے سزائے موت ختم کردیں۔' ایذا رسانی اور دیگر ظالمانہ، غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک سے متعلق خصوصی مندوب نے ذہنی معذوریوں کا شکار افراد کے مقدمات میں سزائے موت کے اطلاق اور نفاذ کو خاص طور پر ظالمانہ، غیر انسانی اور ذلت آمیز اور عالمی معاہدہ برائے شہری و سیاسی حقوق کے آرٹیکل 7 اور ایذا رسانی کیخلاف معاہدے کے آرٹیکل 1 اور 16 کی خلاف ورزی قرار دیا ہے۔ اسی طرح، ماورائے عدالت، فوری یا من مانی پھانسیوں سے متعلق خصوصی مندوب نے کہا ہے کہ 'نفسیاتی معذوریوں کا شکار افراد پر سزائے موت کا اطلاق سزائے موت کے متعلق حفاظتی اقدامات کی خلاف ورزی ہے۔[62]

اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے مزید کہا کہ ذہنی طور پر بیمار قیدیوں کے حقوق کے احترام کے حوالے سے اقوام متحدہ کی رکن ریاستوں کی دو ذمہ داریاں ہیں:

'پہلی بات، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ سزائے موت کے لائق جرم کے ملزم کی ذہنی صحت کے حوالے سے اپنے پاس موجود تمام ریکارڈ اور معلومات کا جائزہ لیں۔ دوسری بات یہ کہ ریاست وہ کسی بھی نادار فرد کو تمام ضروری ذرائع مہیا کرے تا کہ وہ بروقت اپنی ذہنی صحت کا آزادانہ تجزیہ کرا سکے۔ علاوہ ازیں، جب اس بات کا اشارہ موجود ہو کہ سزائے موت کے کسی ملزم یا مجرم ذہنی یا عقلی معذوری کا شکار ہو سکتا ہے، تو ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عدالتی کارروائی کیکسی بھی مرحلے پر اس دعوے کا میرٹ پر جائزہ لے۔'[63]

الف) قیدیوں کے علاج کے لیے اقوام متحدہ کے معیاری کم از کم ضوابط

قیدیوں کے علاج کے لیے اقوام متحدہ کے معیاری کم از کم ضوابط (ایس ایم آرز) کی ابتدائی طور پر منظوری اقوام متحدہ کی جرم کی روک تھام اور مجرموں کے ساتھ برتاؤ سے متعلق کانگریس نے 1958ء میں دی تھی اور اسے اقوام متحدہ کی معاشی و سماجی کونسل نے 1957ء میں منظور کیا تھا۔ 17 دسمبر 2015ء کو معیاری کم از کم ضوابط کے ایک نئے ورژن کی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کی جانب سے ایک قرارداد میں منظوری دی گئی۔ نظر ثانی شدہ ضوابط 'نیلسن منڈیلا ضوابط' کے نام سے جانے جاتے ہیں جن کا مقصد جنوبی افریقہ کے مرحوم صدر کی میراث کی تعظیم ہے، جنہوں نے زندگی کے کئی سال جیل میں گزارے۔

یہ ضوابط کہتے ہیں کہ ایسے افراد 'جو جرم کے ذمہ دار نہ پائے جائیں، یا جن میں بعد ازاں شدید ذہنی معذوریوں یا صحت کی خراب صورتحال کی تشخیص ہو جائے' انہیں ہرگز جیل میں قید نہ کیا جائے بلکہ انہیں ذہنی صحت کے مرکز منتقل کیا جائے۔ یہ ضوابط یہ بھی تقاضہ کرتے ہیں کہ ہر جیل میں نفسیات اور نفسیاتی علاج کا تجربہ رکھنے والے طبی ماہرین پر مشتمل ایک بین مضامین نگہداشت صحت ٹیم ہونی چاہئے تا کہ یقینی بنایا جا سکے کہ قیدیوں کی جسمانی اور ذہنی صحت کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔ منڈیلا ضوابط ذہنی یا جسمانی معذوریوں کا شکار قیدیوں کو قید تنہائی میں رکھنے کی ممانعت کرتے ہیں، اگر اس کے نتیجے میں ان کی موجودہ طبی حالت بگڑ سکتی ہو۔ یہ ضوابط بچوں اور خواتین کو بھی قید تنہائی میں رکھنے کی ممانعت اور ان کے حوالے سے ایسے ہی اقدامات کا اعادہ کرتے ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ جسٹس پراجیکٹ پاکستان)

(53) CRPD/C/AUS/CO/1: para. 30.

(54) CRPD/C/MNG/CO/1, para. 25, CRPD/C/DOM/CO/1, para. 29 a), CRPD/C/CZE/CO/1: para. 28, CRPD/C/HRV/CO/1, para. 22, CRPD/C/DEU/CO/1, para. 32, CRPD/C/DNK/CO/1: para. 34 and 35, CRPD/C/ECU/CO/1, para. 29 b), CRPD/C/KOR/CO/1, para. 28, CRPD/C/MEX/CO/1: para. 27, CRPD/C/NZL/CO/1: para. 34.

(55) CRPD/C/HRV/CO/1, para. 22, CRPD/C/DEU/CO/1, para. 32, CRPD/C/DNK/CO/1: para. 34 and 35

(56) CRPD/C/HRV/CO/1: para. 24.

(57) CRPD/C/COK/CO/1, para. 28 b), CRPD/C/MNG/CO/1, para. 25, CRPD/C/TKM/CO/1 para. 26 b), CRPD/C/CZE/CO/1, para. 28, CRPD/C/DEU/CO/1, para. 32 c),CRPD/C/KOR/CO/1, para. 29, CRPD/C/NZL/CO/1, para. 34, CRPD/C/AZE/CO/1, para. 31, CRPD/C/AUS/CO/1, para. 32 b), CRPD/C/SLV/CO/1: para. 32.

(58) CRPD/C/MEX/CO/1: para. 28.

(59) ذہنی طور پر پسماندہ افراد کے حقوق سے متعلق اعلامیہ، اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی قرارداد۔ 2586/1971

60۔ http://www.ohchr.org/EN/Issues/DeathPenalty/Pages/DPIndex.aspx.

61۔ http://repository.un.org/handle/11176/340297.

62 lhttp://repository.un.org/handle/11176/340297 Para 85.

63۔ ایضاً پیرا 86

کیا پھانسی کی سزا جرائم کو روکتی ہے؟

کیا خودکش بمبار سزائے موت سے ڈرتا ہے!

زمان خان

ساری دنیا میں ہر سال 10۔اکتوبر پھانسی کے خاتمہ کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔

آج دنیا کے 57 ممالک میں پھانسی کی سزادی جاتی ہے۔

پاکستان میں 27 جرائم کی سزا پھانسی ہے۔

2004 سے 4500افراد کو پھانسی کی سزادی گئی۔

2008 میں جب پیپلز پارٹی کی حکومت برسراقتدار آئی تو اس نے پھانسی کی سزا پرعملدرآمد روک دیا۔

لیکن جب 2014 میں آرمی پبلک اسکول پر دہشت گردوں نے حملہ کیا جس میں 132 بچے مارے گئے تو حکومت نے نہ صرف پھانسی کی سزا پرعمل درآمد کرنا شروع کر دیا بلکہ دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے فوجی عدالتیں بھی قائم کی گیں۔

2014 سے آج تک پاکستان میں 465افراد کو پھانسی دی گئی ہے۔ایک زمانہ تھا جب آدمی آدمی کا گوشت کھاتا تھا پھراس نے یہ عمل چھوڑ دیا۔ایک زمانے میں دیوتاوں کوخوش کرنے کے لئے آدمی کی قربانی دی جاتی تھی۔ جب سے انسان نے کسی نہ کسی تنظیم میں رہنا شروع کیا ہے جزا اور سزا کا تصور بھی وہاں سے شروع ہوا۔ جب انسان قبائل میں رہتا تھا تو جزا اور سزا کا تصور بھی قبائلی تھا پھر جب انسان نے غلامی دور میں رہنا شروع کیا تو سزا اور جزا کا تصور بھی غلامی ہو گیا۔ پھر جاگیردارانہ معاشرہ میں جزا اور سزا کا تصور بھی جاگیردارانہ ہوگیا اوراسی طرح جب انسانی معاشرہ صعنتی یا مشینی دور میں داخل ہوا تو جزااور سزا کا تصور بھی اس کے ساتھ بدل گیا۔

ان سارے معاشروں میں ایک بات مشترکہ تھی وہ یہ کہ ان میں قانون کے سامنے سب برابر نہ تھے بلکہ طاقتور حکمران اور امرا کے لئے اور قانون تھا اور غریب غربا اور پسے ہوئے طبقات کے لئے دوسرا قانون تھا۔سرداراوراس کے خاندان والے جسے چاہیں قتل کر سکتے تھے اوراپنی مرضی کی سزائیں دے سکتے تھے۔اسی طرح غلام کے کوئی حقوق نہیں ہوتے تھے۔ان کا کام صرف اورصرف مشقت ہوتا تھا اور دو وقت کی روٹی۔ بلکہ ہر عورت پہلی رات سردار کے ساتھ گزارتی تھی۔ جاگیرداری دور میں جاگیردار اور مزارع کے لئے مختلف قانون ہوتے تھے بدقسمتی سے آج بھی پاکستان کے بعض حصوں میں قبائلی اور جاگیردارانہ سسٹم رائج ہے۔

جبر وستم کی سیاہ رات آج بھی ہے۔آج بھی ان سے جانوروں جیسا غیر انسانی، انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے۔اگرکسی نے صنعتی دور کی ابتدا میں مزدوروں کے ساتھ سرمایہ دار کے رویہ کے بارے میں جاننا ہوتو میں ان سے درخواست کروں گا کہ آپ چارلس ڈکنز کے ناول ضرور پڑھیں۔

یہاں آٹھ گھنٹے دن کے بارے میں بھی بات بے محل نہ ہوگی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ آٹھ گھنٹے کام کا تصور پہلے سے موجود تھا اور ہفتہ وار چھٹی بھی پہلے سے موجود تھی۔نہیں، ہرگزنہیں، ہرگزنہیں۔مزدوروں نے آٹھ گھنٹے کے دن کے لئے بہت قربانیاں دیں اورطویل جدوجہد کی۔انہیں کی یاد میں آج دنیا بھر میں یوم مئی منایا جاتا ہے۔آج یورپ میں ہفتہ میں دوچھٹیاں کی جاتی ہیں۔

جب ہم لوگ قانون کے طالب علم تھے تو ہمیں یہ پڑھایا جاتا تھا کہ 'نو گناہ گاروں کو چھوڑ دینا بہتر ہے بجائے ایک بے گناہ کو سزائے موت دینے سے'۔ پھر قانون میں یہ بھی ہے کہ شک کا فائدہ ملزم کو دینا چاہئے۔ برصغیر میں انگریزوں کے آنے سے پہلے مغلیہ بادشاہوں کے قوانین تھے۔

انگریزوں نے برصغیر پر قبضہ کر کے یہاں پراپنے قانون نافذ کئے۔ ایک طرح کا پورا عدالتی ڈھانچہ بنایا اور انصاف کا نظام متعارف کروایا۔آج بھی ایسے لوگ مل جاتے ہیں جوانگریز کے دور کو خاص کران کے انصاف کے نظام کو یاد کرتے ہیں۔ان کے خیال میں انگریز کا قانون سب کے لئے برابر تھااورکسی کوقانون توڑنے کی اجازت نہیں تھی (وہ بھول جاتے ہیں کہ انگریز کے دور میں کوئی کالا یا مقامی جج انگریز کے خلاف مقدمہ نہیں سن سکتا تھا) بلکہ بعض جگہوں یعنی ہوٹلوں اور کلبوں کے باہر یہ لکھا ہوتا تھا کہ یہاں پر کالوں (ہندوستانی) اور کتوں کوداخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

بات کہاں سے شروع ہوئی تھی اورکس طرف نکل گئی۔

میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ ہر دور میں تصور انصاف اور سزائیں مختلف تھیں اوروقت کے ساتھ ساتھ بدلتی جاتی تھیں۔

نفسیات کے شعبہ میں ترقی سے پہلے پوری دنیا میں یہ تاثر عام تھا کہ جرائم کو روکنے کے لئے سخت سے سخت سزائیں ہونی چاہییں۔آپ شائد یقین نہ کریں کہ ایک زمانے میں برطانیہ میں ڈبل روٹی چوری کرنے کی سزاموت تھی۔

جیسے جیسے انسانی معاشرہ ترقی کرتا گیا اس میں انسانی حقوق کا تصور بھی پیدا ہوا اور ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خلاف انسان نے آواز اٹھائی۔سب سے پہلے مزدوروں کی ٹریڈ یونین نے حقوق کا علم اٹھایا اور ILO معرض وجود میں آئی۔مزدوروں کے اوقات کار بہتر کروائے بلکہ انہیں تنخواہ کے علاوہ صحت کے حقوق بھی دلوائے اسی کے ساتھ کام سے ریٹائرمنٹ کا تصور بھی سامنے آیا۔

نفسیات نے ہمیں بتایا ہے کہ جب کوئی شخص جرم کرتا ہے خاص کر جب ایک شخص دوسرے شخص کو قتل کرتا ہے تو اس وقت وہ ایک ذہنی مریض ہوتا ہے لہذا ذہنی مریض کوسزائے موت نہیں دی جاسکتی۔

پھر ماہرین نفسیات اور قانون دان اس بات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں کہ دنیا میں انصاف کا کوئی مکمل اور شفاف نظام نہیں ہے اور دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ معصوم اور بے گناہ لوگوں کو بھی پھانسی کی سزامل جاتی ہے اور بعد میں پتہ چلتا ہے کہ وہ بے گناہ تھا۔

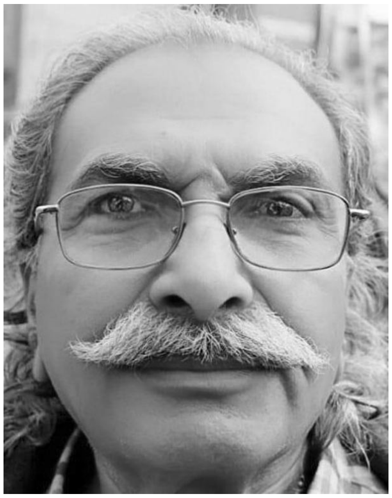

پاکستان میں حال ہی میں ایک ایسا ہی واقعہ ہوا سپریم کورٹ نے دوملزوں کی اپیل منظور کرتے ہوئے ان کی رہائی کا حکم دیا مگر سپریم کورٹ کو بتایا گیا کہ ان کوتو چند سال پہلے پھانسی دے دی گئی تھی۔بے نظیر نے 1988 میں وزیراعظم بننے کے بعد ملک میں سارے سزائے موت کے قیدیوں کی رہائی کا حکم دے دیا تھا۔ان میں سے بعد میں الیاس جٹ قومی اسمبلی کا ممبر بھی بنا۔

پاکستان کے قانون اورنظام انصاف کا اگر جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں امیر بچ جاتا ہے اوراکثر غریبوں کوسزائے موت ہوتی ہے۔دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعداقوام متحدہ نے 10 دسمبر 1948 کوانسانی حقوق کا عالمی چارٹر منظور کیا جس میں رنگ نسل، مذہب اورزبان، ہر قسم کے امتیازی سلوک کی مخالفت کی گئی۔پچھلی صدی میں ساٹھ کی دہائی میں اقتصادی، سماجی اور سیاسی حقوق بھی شامل کئے گئے۔

پھراقوام متحدہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ دنیا میں پھانسی کی سزاختم ہونی چاہئے۔ابھی حال ہی میں ملیشیا نے پھانسی کی سزاختم کرنے کا اعلان کیا ہے۔آج دنیا میں جیل کے بارے میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ جیل عقوبت خانہ نہ ہو بلکہ اصلاح کا ادارہ ہو جہاں سے قیدی ایک بہتر انسان بن کر نکلے۔میں اپنی بات اس پرختم کرتا ہوں کہ دنیا کے بہت بڑے لکھاری دوستوسکی کوایک جھوٹے مقدمہ میں سزائے موت ہوگئی تھی مگر بعد میں جب اصلی قاتل پکڑا گیا تو ان کو رہائی ملی۔اس نے اپنے قید کے دنوں کے بارے میں ایک ناول بھی لکھا ہے Notes from a Dead House.

پاکستان کی حکومت نے GST پلس کے تحت یورپی یونین سے پھانسی کی سزاختم کرنے کا وعدہ بھی کیا ہوا ہے۔

یہ مضمون پہلی دفعہ 2018 میں شائع ہوا تھا۔یہاں اسے سزائے موت کے عالمی دن کی مناسبت سے دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔

موجودہ حکومت میڈیا سے کیوں خوف زدہ ہے؟

اسرارالدین اسرار

پی ایف یو جے اور صحافتی تنظیموں کے سربراہان کا کہنا ہے کہ پاکستان میں حالیہ سالوں میں بارہ ہزار سے زائد میڈیا ورکرز بے روزگار ہوگئے ہیں جو کہ میڈیا ہاوسسز سے فارغ کئے گئے ہیں جبکہ ساٹھ سے زائد صحافیوں پر انسداد دہشت گردی کی دفعات کے تحت مقدمات بنائے گئے ہیں۔ میڈیا ہاوسسز نے حکومت کے دباو میں آکر ہزاروں میڈیا ورکرز کو بے روزگار کرنے کے علاوہ دیگر ورکرز کی تنخواہوں میں بھی کٹ لگادی ہے۔ ان تنظیموں کا کہنا ہے کہ موجودہ حکومت کی طرف سے میڈیا پر جو قدغنیں لگائی گ ءہیں اس کی مثال بد ترین ڈیکٹیٹر شپ میں بھی نہیں ملتی ہے۔

یہ بات طے ہے کہ دنیا کے کسی بھی غیر جمہوری حکمران نے کبھی بھی آزاد میڈیا کی حمایت نہیں کی ہے۔ تاریخ میں ہزاروں صحافی جابر حکمرانوں کے مظالم کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ اب بھی دنیا بھر میں سالانہ درجنوں صحافی قتل ہوتے ہیں، سینکڑوں صحافی تشدد، جعلی مقدمات اور دھمکیوں کا سامنا کرتے یا ملازمتوں سے فارغ کئے جاتے ہیں۔ صحافیوں کے لئے دنیا کے ک ءممالک انتہائی خطرناک تصور ہوتے ہیں۔ جہاں جہاں ڈکٹیٹر شپ یا نام نہاد جمہوریت ہے وہاں صحافی قدغنوں کا سامنا کرتے ہیں۔ کسی ملک میں جمہوریت کتنی رائج ہے اس کا اندازہ میڈیا کی آزادی سے لگایا جاسکتا ہے۔

عمران خان جب اپوزیشن میں تھے اس وقت میڈیا کی آزادی کے علمبردار تھے۔ ڈی چوک کے اپنے دھرنے میں ان کا کہنا تھا کہ وہ جب اقتدار میں آئینگے تو میڈیا کی آزادی کو حقیقی معنوں میں یقینی بنائینگے۔ لیکن اقتدار میں آنے کے بعد انہوں نے یوٹرن لیتے ہوئے میڈیا پر سخت تنقید شروع کردی۔ اب تو صورتحال اس حد تک پہنچ گ ءہے کہ میڈیا کو کنٹرول کرنے کے لئے سخت قوانین زیر غور ہیں۔ ان قوانین کے نفاذ سے پہلے ہی ملک بھر میں میڈیا کا گھیرا بہت تنگ کیا گیا ہے۔ جب یہ قوانین مکمل نافذ ہونگے تو میڈیا کی آزادی سے متعلق صورتحال تشویشناک شکل اختیار کرے گی۔ اس صورتحال میں پاکستان بھر کی صحافتی تنظیموں میں شدید بے چینی پائی جاتی ہے اور وہ ک ءمہنوں سے سراپا احتجاج ہیں۔ آنے والے دنوں میں صحافتی تنظیموں نے ملک گیر احتجاج اور لانگ مارچ کا بھی اعلان کیا ہے۔ میڈیا اور وکلاء سول سوسائٹی کا جاندار، متحرک اور با اثر طبقہ سمجھا جاتا ہے۔ سیاسیات میں یہ پریشر گروپس بھی کہلاتے ہیں۔ میڈیا کے ساتھ چھیڑ خانی کا انجام کیا ہوگا اس پر تبصرہ کرنا قبل از وقت ہے لیکن بڑھتی ہوئی مہنگائی، بے روزگاری اور دیگر ک ءمسائل نے عوام کے دلوں میں حکومت مخالف ایسے جذبات پیدا کئے ہیں جو کبھی بھی لاوا بن کر پھٹ سکتے ہیں۔

پاکستان میں یہ دیکھا گیا ہے کہ سیاستدان جب اپوزیشن میں ہوتے ہیں تو حکومت کو دباو میں رکھنے کے لئے میڈیا ان کو اچھا لگتا ہے۔ تب وہ میڈیا کی آزادی کے گن گاتے ہیں لیکن یہی لوگ جب اقتدار میں آتے ہیں تو میڈیا کی آزادی ان کو پسند نہیں ہوتی کیونکہ سیاستدان جو وعدے وعید کر کے اقتدار میں آتے ہیں میڈیا ان کو وہ وعدے یاد دلاتا ہے اور حکومت کی غلطیاں اجاگر کرتا رہتا ہے۔ میڈیا نہ صرف حکومتی پالیسیوں اور کمزوریوں پر تنقید کرتا ہے بلکہ بے آوازوں کی آواز بھی بن جاتا ہے۔ اس لئے حکمران میڈیا کو اپنا حریف سمجھنے لگتے ہیں۔

پاکستان میں یہ دیکھا گیا ہے کہ سیاستدان جب اپوزیشن میں ہوتے ہیں تو حکومت کو دباو میں رکھنے کے لئے میڈیا ان کو اچھا لگتا ہے۔ تب وہ میڈیا کی آزادی کے گن گاتے ہیں لیکن یہی لوگ جب اقتدار میں آتے ہیں تو میڈیا کی آزادی ان کو پسند نہیں ہوتی کیونکہ سیاستدان جو وعدے وعید کر کے اقتدار میں آتے ہیں میڈیا ان کو وہ وعدے یاد دلاتا ہے اور حکومت کی غلطیاں اجاگر کرتا رہتا ہے۔ میڈیا نہ صرف حکومتی پالیسیوں اور کمزوریوں پر تنقید کرتا ہے بلکہ بے آوازوں کی آواز بھی بن جاتا ہے۔ اس لئے حکمران میڈیا کو اپنا حریف سمجھنے لگتے ہیں۔

میڈیا جمہوریت کی بنیاد ہے۔ جمہوریت میں عوام کی رائے مقدم ہوتی ہے۔ میڈیا عوام کی رائے کی ترجمانی کرتا اور حکومت کو اس کا چہرہ دیکھتا رہتا ہے۔ جمہوری نظام سے میڈیا کو خارج کیا جائے تو اس کا حسن باقی نہیں رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کا آرٹیکل 19 میڈیا کی آزادی سے متعلق ہے۔ پاکستان کے آئین کا آرٹیکل 19 بھی میڈیا کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ ایک آزادی میڈیا حکومت اور حکمرانوں کے

عمران خان جب اپوزیشن میں تھے اس وقت میڈیا کی آزادی کے علمبردار تھے۔ ڈی چوک کے اپنے دھرنے میں ان کا کہنا تھا کہ وہ جب اقتدار میں آئینگے تو میڈیا کی آزادی کو حقیقی معنوں میں یقینی بنائینگے۔ لیکن اقتدار میں آنے کے بعد انہوں نے یو ٹرن لیتے ہوئے میڈیا پر سخت تنقید شروع کردی۔ اب تو صورتحال اس حد تک پہنچ گ ءہے کہ میڈیا کو کنٹرول کرنے کے لئے سخت قوانین زیر غور ہیں۔

احتساب میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اگر میڈیا آزاد نہیں ہوگا تو حکومت شتر بے مہار کی مانند بے لگام ہوجائے گی جو کہ جمہوریت کی اصل روح کے منافی ہے۔

میڈیا کو کنٹرول کرنے کی خواہش دراصل غیر جمہوری رویہ کی عکاسی کرتی ہے۔ جمہوری حکمران آزاد میڈیا کو اپنے لئے غنیمت سمجھتے ہیں کیونک میڈیا ان کو عوام کی رائے اور جذبات سے آگاہ رکھتا اور ان کو اپنی اصلاح کا موقع فراہم کرتا ہے۔

جہاں تک میڈیا کے لئے ضابطہ اخلاق بنانے کی بات ہے اس بات کا ادراک سب سے زیادہ صحافتی تنظیموں کو ہی ہے۔ صحافتی تنظیموں نے اس ضمن میں ک ءبار ضابطہ اخلاق تیار کیا اور اس پر عملدرآمد کی کوششیں بھی کی ہیں۔ اس دفعہ بھی صحافتی تنظیموں نے کہا ہے کہ وہ میڈیا ورکرز کے تحفظ اور اجرت سے متعلق قوانین کے حق میں ہیں لیکن میڈیا کو کنٹرول کرنے کی حکومتی کوشش کامیاب ہونے نہیں دی جائے گی۔

موجودہ حکومت سمجھتی ہے کہ اگر میڈیا کے لئے ضابطہ اخلاق بنانے کی ضرورت ہے تو یہ کام صحافتی تنظیموں کے سپرد کیا جاسکتا ہے۔ صحافتی تنظیمیں جمہوری طریقہ سے ضابطہ اخلاق بنا کر اس پر بہتر انداز میں عملدرآمد کرانے کی سکت رکھتی ہیں۔ کیونکہ جو ضابطہ اخلاق صحافتی تنظیمیں تیار کرینگی اس میں صحافیوں کی شراکت داری ہوگی اور وہ اس کو اپنانے میں دقت محسوس نہیں کرینگے۔ دنیا بھر میں یہ کام صحافتی تنظیمیں ہی سرانجام دیتی ہیں۔ اس کیبرعکس اگر یہ کام حکومتیں کرنے لگیں گی تو وہ ڈکٹیٹر شپ کے زمرے میں آئیگا۔ جو کہ جمہوریت، آزادی اظہار رائے اور بنیادی انسانی حقوق کے منافی ہے۔

پانی کی عدم دستیابی سے متاثر لنڈی کوتل کی خواتین

مسعود شاہ

'میں جب روزانہ سکول سے واپس آتی ہوں تو اس کے بعد میں دور سے پانی لاتی ہوں کیونکہ ہمارے علاقے میں پانی نہیں ہے'

یہ کہنا ہے ضلع خیبر کی تحصیل لنڈی کوتل سے تعلق رکھنے والی طالبہ یسریٰ کا جو آٹھویں جماعت کی طالبہ ہیں۔ میرداد خیل کی رہائشی یسریٰ نے بتایا کہ ان کے علاقے میں نہ تو پینے کے لیے پانی ہوتا ہے اور نہ ہی باقی ضرورت کے لیے اور ان کو پانی لانے میں بہت دشواری پیش آتی ہے کیونکہ وہ اپنے سر پر پانی لاتی ہیں۔

انہوں نے کہا کہ نہ صرف وہ بلکہ ان کے علاقے کی باقی لڑکیاں اور خواتین بھی گھر کی ضرورت کے لیے پانی دور دراز کے علاقوں سے لاتی ہیں۔ یسریٰ نے کہا کہ وہ پانی کا بہت خیال رکھتی ہے اور کوشش کرتی ہے کہ کم پانی استعمال کرے تاکہ انتہائی ضرورت کے وقت اس پانی کو استعمال کر سکیں۔

یسریٰ کے والد اختر علی شنواری جو ایک سوشل ورکر کی حیثیت پہ کام کرتے ہے کا کہنا ہے کہ پانی کا مسئلہ نہ صرف انکے علاقے کو درپیش ہے بلکہ تحصیل لنڈی کوتل کے باقی علاقوں میں بھی لوگ پانی کو ترس رہے ہیں۔

پانی کی سطح بہت نیچے جا چکی ہے

اپنے علاقے کے حوالے سے بات کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ میرداد خیل میں پانی کی سطح بہت نیچے تک جا چکی ہے جس کی وجہ سے کنوؤں اور ٹیوب ویلوں میں پانی نہیں ہوتا اور لوگوں کو بہت مشکلات درپیش ہیں۔ اختر علی شنواری کا کہنا ہے کہ مقامی لوگ لنڈی کوتل بازار سے ٹینکر میں پانی لاتے ہیں اور ایک ٹینکر کی قیمت 3 ہزار روپے ہے لیکن یہاں اکثریت غریب لوگوں کی ہے اور وہ یہ نہیں کرسکتے کہ اپنے لیے پیسوں پر پانی کا بندوبست کریں جبکہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے خواتین کو بہت زیادہ مشکلات کا سامنا ہے کیونکہ چاہے گرمی ہو یا سردی خواتین کئی کلومیٹر کا پیدل سفر کر کے اپنے سروں پر پانی لاتی ہیں۔

ان کے مطابق میرداد خیل کی آبادی 30 ہزار افراد پر مشتمل ہے لیکن اس کے باوجود یہاں پانی کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے کسی نے خاطر خواہ اقدامات نہیں کیے۔ انہوں نے کہا کہ ایک سوشل ورکر کی حیثیت سے وہ پچھلے 15 سالوں سے پانی کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کبھی ایک کے پاس جاتا ہیں تو کبھی دوسرے کے پاس لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

'میرداد خیل میں پانی کی سطح بہت نیچے تک گئی ہے اور ہم نے حکومت سے مطالبہ بھی کیا ہے کہ اگر یہاں پانی کے چھوٹے چھوٹے ڈیمز بنائے جائے تو اسکی وجہ سے پانی سطح اوپر آجائے گی لیکن افسوس اس پہ بھی کوئی کام نہ ہوسکا اور جہاں کہیں ڈیمز بنے ہیں تو اس میں بھی کرپشن ہوئی ہے اور لوگ پانی کو ترس رہے ہیں' اختر علی شنواری نے بتایا۔

انہوں نے کہا کہ ایم این اے اور ایم پی اے اپنے نمبرز بنانے کے لیے کہتے ہیں کہ شلمان واٹر سپلائی سکیم پہ کام کیا ہے لیکن عملی کام کہیں بھی نظر نہیں آرہا۔ کئی سال گزرنے کے باوجود بھی شلمان کا پانی دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔

ہم چھوٹے چھوٹے ہوا کرتے تھے تب سے سنتے آرہے ہیں کہ شلمان کا پانی آئے گا لیکن کئی سال گزرنے کے باوجود بھی شلمان کا پانی کو دیکھنے نصیب نہیں ہوا، بات صرف پینے کے پانی کی نہیں ہے یہاں تو کپڑے دھونے، نہانے اور باقی ضروریات زندگی کے لیے بھی پانی نہیں ہے' ساجی کارکن کا کہنا تھا۔

نہ صرف میرداد خیل میں پانی کا مسئلہ موجود ہے بلکہ لنڈی کوتل کے کئی علاقے ایسے ہیں جہاں لوگ پانی جیسی بنیادی سہولت سے محروم ہیں۔ شیخ ملخیل کا علاقہ بھی ایسا ہے جہاں پانی کی سطح نیچے جا چکی ہے اور لوگوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہے۔ شیخ ملخیل کے علاقے سے تعلق رکھنے والے قیوم شنواری نے بتایا کہ یہاں پر پینے کا پانی اور دوسری ضرورتوں کیلئے استعمال ہونے والے پانی کی شدید کمی ہے، لوگوں نے بور لگائے ہیں تقریباً 270 فیٹ نیچے سے پانی آتا ہے جبکہ باقی علاقوں میں پچاس فیٹ تک بھی پانی آتا ہے۔

پانی کو سٹور کرنے کا کوئی خاص انتظام موجود نہیں

ہمارے لنڈی کوتل میں جب ہم بور لگاتے ہیں تو سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی کالا پتھر نکل آتا ہے تو کبھی ریت اور پانی کو ذخیرہ کرنے کیلئے بھی کوئی نظام نہیں اور جو لوگ بور پر اپنے ساٹھ ستر ہزار لگا دیتے ہیں تو اس میں پانی بمشکل دس گیلن تک ہوتا ہے، قیوم شنواری نے کہا۔

انہوں نے کہا کہ محکمہ صحت عامہ نے کچھ علاقوں میں دو تین ٹیوب ویل لگائے جو کامیاب ہوئے۔ اگر سارے علاقوں کو یہ سہولت دی جائے تو پانی کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔

لنڈی کوتل کے کے علاوہ ضلع خیبر کے باقی علاقوں میں بھی پانی کا مسئلہ موجود ہے۔ حکومت نے اس مسئلے کو مستقل حل ڈھونڈنے کے لیے پچھلے سال ضلع خیبر میں جبہ ڈیم کی منظوری بھی دی جس پر 9 ارب 90 کروڑ 65 لاکھ روپے کی لاگت آئے گی۔ ایک کے مطابق، اندازہ جبہ ڈیم سے فلٹریشن پلانٹ لگا کر روزانہ تین کروڑ 23 لاکھ گیلن یومیہ پانی حاصل کیا جائے گا۔

قیوم شنواری نے کہا کہ جب برف باری ہوتی ہے تو پانی کی سطح اچھی ہو جاتی ہے لیکن سٹوریج سسٹم نہیں ہے اور نہ ہی ڈیم بنے ہیں جس سے پانی کو مستقبل کے لیے محفوظ کیا جاسکے۔ نہریں موجود ہیں لیکن اس سے پانی کے حصول کا بندوبست کرنے پر 12 لاکھ روپے تک کی لاگت آتی ہے اور لوگوں کی اتنی استطاعت نہیں ہے کہ اس پہ وہ اتنا خرچہ کریں۔

بارانی ڈیموں سے پانی کو ذخیرہ کیا جاسکتا ہے

لنڈی کوتل کے مقامی صحافی محراب آفریدی نے اس حوالے سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ لنڈی کوتل میں پانی کی سطح بہت نیچے تک چلی گئی ہے کیونکہ ایک تو بارشیں کم ہوتی ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لنڈی کوتل میں بارانی ڈیمز نہیں ہے اگر بارانی ڈیمز یہاں بن جائے تو اس سے پانی کو ذخیرہ کیا جاسکے گا۔

شلمان واٹر سپلائی سکیم کے حوالے سے بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہر کوئی کہتا ہے کہ اس پہ کام کریں گے تاکہ مقامی لوگ اس سے پانی حاصل کرسکیں لیکن عملی کام کوئی نہیں کرتا۔ محراب آفریدی کا کہنا ہے کہ شلمان واٹر سپلائی سکیم سے لنڈی کوتل کی 80 فیصد آبادی کا پانی کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

پی سی ون شلمان واٹر سپلائی سکیم

محراب آفریدی نے بتایا کہ شلمان واٹر سپلائی سکیم کے ساتھ لنڈی کوتل میں بارانی ڈیمز بنانا بھی وقت کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے پانی کی سطح اوپر آجائے گی اور یوں لوگ گھروں میں ہی پانی کا بندوبست کرسکیں گے۔

انہوں نے کہا کہ حکومت نے شلمان واٹر سپلائی سکیم کے حوالے سے پی سی ون رپورٹ مئی 2021 میں تیار کرلی تھی۔ منصوبے پر 5534 ملین روپے لاگت آئے گی۔ اس منصوبے سے لنڈی کوتل کے متعدد علاقوں کو پینے کا صاف پانی فراہم کیا جائے گا۔

ضلع خیبر سے منتخب ایم پی اے شفیق شیر آفریدی کا کہنا ہے کہ سالانہ ترقیاتی پروگرام 2019-2020 میں شلمان واٹر سپلائی سکیم کے صرف سروے کے لیے تین کروڑ روپے مختص کیے گئے ہیں جس پر کراچی کی ایک کنسلٹنٹ کمپنی نے کام کیا۔ اس منصوبے کے تحت دریائے کابل سے پانی کو لنڈی کوتل تک لایا جائے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ باقی چھوٹی سکیموں پر بھی کام ہو رہا ہے تاکہ پانی کا مسئلہ حل کیا جاسکے۔

طالبہ یسریٰ نے منتخب نمائندوں اور متعلقہ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ لنڈی کوتل میں پانی کا مسئلہ ترجیحی بنیادوں پر حل کیا جائے تاکہ وہ اور باقی بچیاں اپنا قیمتی وقت پانی لانے میں ضائع نہ کریں اور پڑھ لکھ کر ملک وقوم کا نام روشن کرسکیں۔

لڑکی باپ سمیت قتل

ملاکنڈ ملاکنڈ میں اپنے حق کیلئے آواز اٹھانے والی بٹ خیلہ کی رہائشی ایک اور حواء کی بیٹی اور ان کے والد کو بااثر قبضہ مافیا و تخریب کار گروہ سے تعلق رکھنے والے عناصر نے ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیا۔ جواں سال مقتولہ نے تقریباً دو ہفتے قبل چیف جسٹس سپریم کورٹ، پشاور ہائی کورٹ، وزیر اعلیٰ، آئی جی پولیس سمیت دیگر متعلقہ حکام سے تحفظ اور انصاف کی فراہمی کی اپیل کی تھی۔ اطلاعات کے مطابق رواں ماہ کی گیارہ تاریخ کو مقتولہ مسماۃ شیباگل دختر کریم بخش نے پشاور پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ مقامی انتظامیہ کی ملی بھگت سے تخریب کار گروہ سے تعلق رکھنے والا مبینہ قبضہ مافیا ہماری جدی پشتی گنگالان نامی جائیداد پر قابض ہے، عدالت میں ہمارے حق میں کئی فیصلے ہونے کے باوجود متعلقہ ادارے ہماری دادرسی نہیں کر رہے، مقتولہ کا کہنا تھا کہ تخریب کار گروہ سے وقار اختر عرف (ڈبا)، اعجاز اختر پسران امیر زمان ساکنان گاؤں خار بٹ خیلہ سمیت کئی دیگر افراد کا تعلق ہے۔

(نامہ نگار)

مزدوروں کا احتجاج

خیبر ضلع خیبر کی تحصیل لنڈی کوتل بائی پاس طورخم روڈ پر مزدوروں کا احتجاج۔ طورخم بارڈر پر کام کرنے والے مزدوروں نے بارڈر پیدل آمد و رفت کے لئے کھولنے کے حوالے سے احتجاجی دھرنا دیا۔ لنڈی کوتل طورخم بائی پاس روڈ پر مزدوروں کے احتجاجی

دھرنے کے موقع پر مزدور یونین کے صدر فرمان شینواری، چیئرمین عبدالسلام شینواری، نوجوانان قبائل کے سابق صدر اسرار شینواری نے کہا کہ طورخم بارڈر پر مزدوروں کو پیدل آمد و رفت کی اجازت دی جائے۔ طورخم بارڈر پر مزدوروں کو پیدل آمد و رفت پر پابندی کے باعث ہزاروں مزدور بے روزگار ہیں اور ان کے بچے بھوک اور افلاس سے دوچار ہیں۔

مزدوروں نے حکومت اور سیکورٹی فورسز کے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ طورخم بارڈر پر کام کرنے والے مزدوروں کو پیدل آمد و رفت کی اجازت دی جائے جبکہ مزدوروں کو ہنگامی بنیادوں پر امدادی راشن فراہم کیا جائے۔ مزدوروں نے فریاد کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے بچے بھوک سے مر رہے ہیں اس لئے حکومت طورخم بارڈر مزدوروں کے پیدل آمد و رفت کے کھولنے کے ساتھ ساتھ مزدوروں کو راشن فراہم کریں۔ احتجاجی دھرنا کے موقع پر مزدوروں نے کہا اگر ان کے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو وہ طورخم بارڈر سے لیکر کراچی تک احتجاجی مارچ کرینگے۔ مزدوروں نے کہا کہ وہ اپنے حقوق کے حصول اور مطالبات تسلیم ہونے تک احتجاجی دھرنا پاک افغان شاہراہ پر جاری رکھیں گے۔ مزدوروں نے کہا کہ ان کا احتجاجی دھرنا پر امن ہے اس لئے حکومت ان کی فریاد سنے اور انصاف فراہم کرے۔

(مسعود شاہ)

داماد نے میری بیٹی کو تشدد کا نشانہ بنا کر لاپتہ کر دیا

حیدرآباد کیم اکتوبر کو تسلیم کالونی قاسم آباد کی رہائشی صاحب خاتون ابڑو نے کہا ہے کہ انکی بیٹی حمیرہ خاتون کو اس کے شوہر کوٹری کے رہائشی خادم حسین ابڑو اور اس کے بھائیوں نے لاپتہ کر دیا ہے اور ان کے بیٹوں بابر علی اور نور علی کیخلاف قتل کا جھوٹا کیس درج کرا کر جیل بھجوا دیا ہے۔ حیدرآباد پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے صاحب خاتون نے بتایا کہ 20 روز قبل کوٹری کی غریب آباد کالونی میں انکی بیٹی کے دیور واحد کا 5 سالہ بیٹا فیضان علی گھر میں پانی کی ٹینکی میں ڈوب کر فوت ہو گیا تھا جسے قتل قرار دے کر ان کے دو بیٹوں کے خلاف قتل کا جھوٹا کیس درج کرایا گیا جو بے بنیاد ہے۔ جبکہ بیٹی پر اس کا شوہر خادم حسین دس سال سے تشدد کرتا چلا آ رہا ہے۔ کچھ عرصہ قبل شوہر کے تشدد سے بیزار ہو کر بیٹی میکے آ گئی جس کے بعد داماد نے ایک اسٹامپ پیپر پر دوبارہ تشدد نہ کرنے کا تحریری معاہدہ لکھ کر دیا اسکے باوجود اس نے حمیرہ کو تشدد کا نشانہ بنایا اور اسے لاپتہ کر دیا جس کا اب تک کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔ ارباب اختیار اس کے داماد اور اس کے بھائیوں کی جانب سے بیٹی حمیرہ کو لاپتہ کرنے کا نوٹس لے کر اسے فوری بازیاب اور بیٹوں کیخلاف درج جھوٹا مقدمہ ختم کر کے انصاف فراہم کریں۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کے خلاف ریلی

ٹوبہ ٹیک سنگھ مہنگائی اور پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کے خلاف مزدوروں اور شہریوں کی بڑی تعداد نے گوجرہ روڈ چونگی سے شہباز چوک ٹوبہ ٹیک سنگھ تک احتجاجی ریلی نکالی۔ مظاہرین نے ہاتھوں میں پلے کارڈز اور بینرز اٹھا رکھے تھے۔ ریلی میں مزدور خواتین اور بچے بھی شریک تھے۔ مزدوروں نے مہنگائی بے روزگاری اور پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کے خلاف حکومت کے خلاف شدید نعرہ بازی کی۔ مزدور رہنما کا کہنا تھا کہ حکومت نے مزدوروں سے جینے کا حق چھین لیا ہے۔ مزدوروں کا کہنا ہے کہ حکومت اشیاء خورد و نوش کی قیمتوں میں فوری طور پر کمی لائے اور پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کے نوٹیفکیشن کو واپس لیا جائے۔

(اعجاز اقبال)

سکول کی خستہ حالت اور گرنے کا اندیشہ

چمن چمن کے علاقہ کلی حبیب صلاح الدین نزد برف کارخانہ چمن میں ایک پرانا پرائمری اسکول قائم ہے جس کی عمارت بہت خستہ حالت میں ہے۔ اسکول عمارت کی خستہ حالت کی وجہ سے عمارت گرنے کا اندیشہ ہے۔ گورنمنٹ پرائمری سکول کلی حبیب صلاح الدین چمن کی تعلیمی کمیٹی کے چیئرمین حاجی نذیر احمد اچکزئی نے بتایا کہ گورنمنٹ پرائمری سکول کلی حبیب صلاح الدین چمن کی خستہ حالت کی وجہ سے بارش کے دوران اساتذہ کرام بچوں کو متصل مسجد کی عمارت میں لے جا کر پڑھاتے ہیں۔ سردیوں میں ہمارے بچے بہت سخت مشکلات میں پڑھائی کرتے ہیں۔ اہلیان محلّہ نے کئی بار حکومت کے اعلیٰ حکام سے مل کر انہیں مسئلہ سے آگاہ کیا ہے۔ لیکن تاحال کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ وہ جہد حق کی وساطت سے محکمہ تعلیم بلوچستان اور ضلع چمن کے اعلیٰ حکام سے پر اپیل کرتے ہیں کہ گورنمنٹ پرائمری سکول کلی حبیب صلاح الدین چمن کے پرانی بوسیدہ عمارت کو ختم کر کے نئی عمارت تعمیر کی جائے تاکہ کلی حبیب صلاح الدین چمن کے تعلیمی ادارے کا یہ دیرینہ مطالبہ حل ہو سکے۔

(محمد صدیق)

تنخواہیں نہ ملنے کے خلاف احتجاجی مظاہرہ

حیدرآباد قاسم آباد کے رہائشی اور حیدرآباد کے قدیم نور محمد ہائی اسکول کے ٹیچر شاہد کاندھیڑو نے تنخواہیں نہ ملنے کے خلاف اپنی کلاس کے طلباء کے ہمراہ حیدرآباد پریس کلب کے سامنے احتجاج کیا۔اس موقع پر انہوں نے الزام عائد کرتے ہوئے بتایا کہ میں سال 2012ء سے نور محمد ہائی اسکول حیدرآباد میں اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہوں لیکن گزشتہ دوسالوں سے میری تنخواہیں بند کردی گئی ہیں جس کی وجہ سے گھر میں فاقہ کشی جیسی صورتحال سے دوچار ہوں اور سخت پریشان ہوں۔انہوں نے کہا کہ مسلسل تنخواہیں نہ ملنے کے سبب گھر کا چولہا بھی ٹھنڈا ہو چکا ہے۔انہوں نے متعلقہ ارباب اختیار سے اپیل کی کہ معاملے کا نوٹس لے کر میری تنخواہیں جاری کروا کر میرے ساتھ انصاف کیا جائے تا کہ گھر میں فاقہ کشی جیسی صورتحال کا خاتمہ ہوسکے۔یہ واقعہ 3اکتوبر کو پیش آیا۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

ڈرینیج اسٹوریج پوائنٹ پر لینڈ مافیا کا قبضہ

ٹنڈو محمد خان ٹنڈو محمد خان شہر کے ڈرینیج اسٹوریج پوائنٹ سونپاری پر بااثر افراد نے قبضہ کر کے ہاؤسنگ اسکیم بنانا شروع کردی ہے جس پر شہری حلقوں نے تشویش کا اظہار کیا ہے۔ٹنڈو محمد خان شہر کی تین لاکھ آبادی کے ڈرینیج کا گندا پانی اسٹور کرنے کے لئے بنائی گئی سونپاری کی 36 ایکڑ زمین پر جعلسازی کر کے جعلی کھاتے بنوائے گئے اور اب سونپاری ڈرینیج اسٹوریج کو ختم کر کے چاروں اطراف سے سونپاری میں موجود پانی کو نکالا جا رہا ہے اور مٹی کی بھرائی کر کے اسے ہموار کیا جا رہا ہے تا کہ اسے ہاؤسنگ اسکیم بنا کر فروخت کیا جا سکے۔اس سلسلے میں

ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سونپاری کی زمین کو سب سے پہلے ایک ریونیو ملازم کے نام کیا گیا جس کے بعد کئی مرتبہ اس کے کھاتے تبدیل کئے گئے تا کہ کوئی اس معاملے کو چیلنج نہ کر سکے جبکہ سونپاری کو بلڈر کے حوالے کرنے کے خلاف شہریوں نے احتجاجی مظاہرہ کیا ہے۔مظاہرین کا کہنا تھا کہ اگر سون پاری کو ختم کیا گیا تو معمولی بارش میں ہی شہر ڈوب جائے گا۔دوسری جانب شہری حلقوں نے سون پاری ختم کرنے کے عمل پر تشویش کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر سون پاری کو ختم کر دیا گیا تو پورا شہر ڈوب جائے گا۔انہوں نے چیف جسٹس سپریم کورٹ،، وزیر اعظم، چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ، وزیر اعلیٰ سندھ اور دیگر اعلیٰ حکام سے معاملے کا فوری نوٹس لینے اور شفاف تحقیقات کروانے کا مطالبہ کیا ہے۔

(محمد رمضان شورو)

انسانی حقوق کے علمبرداروں کو تحفظ فراہم کیا جائے

حیدرآباد 8 اکتوبر کو سندھ ہیومن رائٹس ڈیفینڈرز نیٹ ورک کے کوارڈینیٹر ایڈووکیٹ علی پلھ نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ انسانی حقوق کے علمبرداروں کے لیے "سندھ ہیومن رائٹس ڈیفینڈرز پروٹیکشن ایکٹ 2021ء" بنایا جائے اور اس کے ساتھ انسانی حقوق کے علمبرداروں کے خلاف جو واقعات رونما ہوتے ہیں ان کی تفتیش اور فوری انصاف کے لیے ایک علیحدہ سے کمیشن تشکیل دیا جائے۔حیدرآباد پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے انھوں نے سندھ میں انسانی حقوق کے علمبرداروں کے خلاف ہر روز تشدد کے واقعات، جان لیوا دھمکیوں، گمشدگیوں اور انہیں ہراساں کرنے کے واقعات پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ گزشتہ روز رانی پور کے گاؤں موسیٰ راجپر میں عورتوں کے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے والی خاتون محبوب روشن راجپر کی لاش انکے کمرے سے ملی اور ان کی پراسرار موت کے پیچھے ایک بھیانک کہانی ہے۔چند روز قبل انھیں خیر پور کے علاقے رانی پور کے بااثر سیاسی افراد کی طرف سے قتل کی دھمکیاں بھی ملی تھیں جس کی رپورٹ انھوں نے مقامی پولیس کو بھی دی تھی لیکن افسوس ہے کہ انھیں تحفظ نہیں مل سکا۔انھوں نے وفاقی اور سندھ حکومت سے مطالبہ کیا کہ سندھ میں انسانی حقوق کے علمبرداروں کے حقوق اور جان و مال اور ان کے خاندان کو بھی تحفظ دیا جائے۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

کمسن طالبعلم پر تشدد

گوجرہ وجرہ میں ایک ٹیچر کا کمسن طالب علم پر ڈنڈوں سے وحشیانہ تشدد کا معاملہ۔ایگزیکٹو آفیسر ایجوکیشن نے واقعے کا نوٹس لیا ہے۔اسکول کو بند کر دیا گیا ہے جبکہ ملزم کے خلاف مقدمہ بھی درج کر لیا گیا۔سکول کے ٹیچر عرفان صفدر کا ہوم ورک نہ کرنے پر 7 سالہ طالب علم پر بہیمانہ تشدد کیا۔ایگزیکٹو آفیسر تعلیم سہیل خاں کا کہنا ہے ملزم کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی ہوگی جبکہ تھانہ سٹی پولیس نے ٹیچر کے خلاف مقدمہ بھی درج کر لیا ہے مگر تا حال فرار ملزم ٹیچر کو گرفتار نہیں کیا جا سکا۔

(اعجاز اقبال)

اساتذہ کے عالمی دن پر سیمینار کا انعقاد

حیدرآباد 5 اکتوبر، 2021 سیوا ایجوکیشن سیوسندھ آرگنائزیشن کی جانب سے اساتذہ کے عالمی دن کے موقع پر ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس میں محکمہ تعلیم کے افسران، مختلف اسکولوں کے اساتذہ، طلباء کے علاوہ کمیونٹی کے نمائندوں اور صحافیوں نے شرکت کی۔اس موقع پر سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے سیوا ایجوکیشن سیوسندھ آرگنائزیشن کے رہنماؤں فیاض حسین قاضی، طارق علی قریشی، ڈاکٹر فصیح طارق خان و دیگر نے کہا کہ 5 اکتوبر پوری دنیا میں اساتذہ کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے، جس کا مقصد اساتذہ کی جانب سے کی گئی محنت اور جدوجہد کا اعتراف کرنا اور انکی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔اس موقع پر سیوا ایجوکیشن سیوسندھ آرگنائزیشن کے صدر اور ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے سینئر ممبر لالہ عبدالحلیم شیخ نے کہا کہ طالب علم کی سوچ اور فکر کی راہ متعین کرنے میں استاد کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔اساتذہ کی عزت و تکریم کی بدولت ہی طالب علم معاشرے میں عزت و شہرت کی بلندی تک پہنچ سکتا ہے۔اساتذہ نوجوان نسل کو معاشرے کے کارآمد فرد بناتے ہیں۔لالہ عبدالحلیم نے کہا کہ حروف شناسی سے لے کر قومی و ملی امنگوں سے ہم آہنگ کرنے تک اساتذہ کا کردار غیر معمولی ہوتا ہے۔تدریس کا عمل کائنات کے آغاز سے اب تک سب سے مقدم تصور کیا جاتا ہے۔اساتذہ کرام کا نہ صرف قوموں کی تعمیر میں اہم کردار ہے بلکہ دنیا کو مقام دانش، امن اور معاشی و سماجی ترقی کا مرکز بنانے میں بھی ان کی کلیدی اہمیت ہے۔اساتذہ کی عزت و تکریم کی بدولت ہی طالب علم معاشرے میں عزت و شہرت کی بلندی تک پہنچ سکتا ہے۔

(لالہ عبدالحلیم)

عوام بنیادی سہولیات سے محروم

نوشکی نوشکی کے عوام 21 ویں صدی میں بھی صحت کے بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں یوں تو بلوچستان حکومت بلوچستان میں شہریوں کو صحت کی سہولیات کے فراہمی کے لیے بلند بانگ دعوے کرتے ہوئے نہیں تھکتی لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ٹیچنگ ہسپتال نوشکی میں لیڈی ڈاکٹروں کی 10، یڈیکل آفیسروں کی 7،نرسوں کی 20 آئی اسپشلسٹ، ای این ٹی اسپشلسٹ پیتھالوجسٹ اور ٹیچنگ شعبہ میں اسٹنٹ پروفیسروں کی 7 اور پیرامیڈیکس اسٹاف کی درجنوں آسامیاں سالوں سے خالی ہیں جس کی وجہ سے نوشکی کے عوام کو معمولی علاج معالجے کے لیے صوبائی دارالحکومت کوئٹہ کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ جس سے غریب مریضوں کو مالی مشکلات وقت کے ضیاع کے ساتھ دیگر مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے نوشکی کی آبادی دو لاکھ سے زائد ہے جبکہ قریبی اضلاع خاران چاغی مستونگ اور افغان بارڈر پر بسنے والے بھی علاج معالجہ کے لیے ٹیچنگ ہسپتال نوشکی آتے ہیں۔ گزشتہ کئی ماہ سے ٹیچنگ ہسپتال کو ادویات کا کوٹہ بھی نہیں ملا۔ آئندہ تین چار ماہ تک ادویات کا کوٹہ ملنے کی امید بھی نہیں ہے۔ ادویات کی عدم فراہمی کے باعث غریب مریضوں کو انتہائی مشکلات، مالی مصائب اور دشواریوں کا سامنا ہے۔ نوشکی کے غریب عوام نے انسانی حقوق کمیشن کے توسط سے صوبائی حکومت کی توجہ اس مسلئہ کے جانب مبذول کراتے ہوئے مطالبہ کیا ہے ٹیچنگ ہسپتال نوشکی میں اسپشلسٹ ڈاکٹروں اور دیگر اسٹاف کی تعیناتی اور ادویات کی فراہمی کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔

(محمد سعید بلوچ)

18 سالہ لڑکی سے اجتماعی زیادتی

ٹوبہ ٹیک سنگھ نوکری کا جھانسہ دیکر اغواء کر کے 18 سالہ لڑکی کو موٹر وے ایم فور پر اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ فیصل آباد موٹر وے پر گوجرہ کے قریب تین ملزمان نے ارم نامی لڑکی کو گن پوائنٹ پر گاڑی میں اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا اور ویرانے میں پھینک کر فرار ہو گئے۔ متاثرہ لڑکی کا میڈیکل کروالیا گیا۔ خاتون ملزمہ سمیت تینوں ملزمان فرار ہو گئے۔ پولیس ملزمان کی گرفتاری کے لئے چھاپے مار رہی ہے۔

(اعجاز اقبال)

ہائی سکول کے قیام کیلئے عمائدین کا دھرنا 21 دن سے جاری

تنائی/وانا وانا کے علاقہ تنائی میں 21 دنوں سے ہائی سکول کے قیام کیلئے جاری دھرنا کے منتظمین نے ڈسٹرکٹ پریس کلب وانا کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا اور ہنگامی بنیادوں پر پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ 10 ہزار آبادی پر مشتمل علاقہ اس دور جدید میں ہائی سکول سے محروم ہے۔ انجینئر اکرام اللہ، فرید اللہ، مولانا گلاب خان اور ملک نور اسلم نے کہا کہ ریاست پاکستان جان بوجھ کر علاقہ تنائی کے عوام کو تعلیم سے محروم رکھنا چاہتی ہے۔ 21 دنوں سے جاری دھرنے کے دوران کوئی ذمہ دار اہلکار مثبت مذاکرات کیلئے نہیں آیا جو انتہائی افسوسناک ہے۔ دھرنا منتظمین نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہر سال ہائی سکول نہ ہونے کی وجہ سے 500 سے لیکر 600 تک بچے اور بچیاں روشن مستقبل سے محروم ہو کر ضائع ہو جاتے ہیں۔

(مسعود شاہ)

سیوریج سسٹم ناکارہ ہونے اور جگہ جگہ کچرے کے ڈھیر

نوشہرو فیروز نوشہرو فیروز سمیت نواحی علاقوں میں بارش نے سیوریج کے ناقص نظام کو بے نقاب کر دیا ہے۔ سیوریج سسٹم ناکارہ ہونے سے نالیاں ابل پڑیں، مچھروں کی افزائش میں اضافہ، بیماریاں پھیلنے لگی، تل اور کپاس کے کاشتکاروں نے سر پکڑ لیے۔ آئندہ 48 گھنٹوں میں مزید بارش کا امکان ہے۔ تفصیلات کے مطابق نوشہرو فیروز اور نواحی علاقوں پھل سٹی، پڈعیدن، دریا خان مری، کوٹ لالو، امن چودگی، بھریا روڈ، لاکھا روڈ سمیت دیگر علاقوں میں بارش کا سلسلہ جاری نوشہرو فیروز میں بارش کے باعث روڈ راستے گلیاں تالاب کا منظر پیش کرتیں رہی ہے سیوریج سسٹم ناکارہ ہونے اور جگہ جگہ کچرے کے ڈھیر لگے رہنے سے مچھروں کی افزائش میں اضافہ ہو گیا ہے جس سے مختلف بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ لوگوں کی بڑی تعداد سرکاری اور پرائیویٹ اسپتالوں میں زیر علاج ہے۔ جبکہ مسلسل بارش سے تل، کپاس، اور گنا، اور سبزیوں کے کاشتکار سخت پریشان ہیں کیونکہ بارشیوں سے فصلوں اور سبزیوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

(الطاف حسین قاسمی)

چمن میں امن وامان کی صورتحال بگڑ گئی ہے

چمن بدامنی کی بدولت عوام کو سخت مشکلات کے سامنا ہے۔ جمعیت علمائے اسلام پاکستان ضلع چمن پریس سیکرٹری اطلاعات عبدالوارث جانثار نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر محمد صدیق مدنی کو بتایا کہ ضلع چمن کے ضلعی انتظامی آفیسر کے یہ بلند و بانگ دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے کہ وہ چمن کو امن وامان کا گہوارہ بنائیں گے، چوروں، ڈاکوؤں کا قلع قمع، منشیات کے اڈے بیچنے اور پینے والے کو ختم کرینگے، پاک افغان بارڈر (باب دوستی) پر عوام کو سہولیات فراہم کرنے کیلئے اقدامات اٹھائیں گے لیکن تا حال ایسے اطمینان بخش اقدامات نہیں اٹھائے گئے ہیں کہ مختلف مصائب میں جکڑے ہوئے عوام کی پریشانیاں دور ہوں اور وہ سکھ کا سانس لیسکیں۔ ایک طرف عوام بیروزگاری اور پاک افغان بارڈر پر کاروبار میں کمی، باب دوستی کی بندش اور ان پر پیدل آمد ورفت میں مشکلات اور مہنگائی کے طوفان سے رو نا رو رہے ہیں تو دوسری طرف سٹریٹ کرائم میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ آئے روز مختلف وارداتوں میں مختلف طریقوں سے دوکانوں کا تالہ توڑ یا سوراخ لگا کر صفایا کرنا، موٹر سائیکل، موبائل، نقدی چھیننا روز کا معمول ہونے کے علاوہ اوباش چور یہاں تک نڈر ہو چکے ہیں کہ فرصات کے لمحات میں صحرا پر بیٹھنے والے نوجوانوں سے سرعام کلاشنکوف اور پستول کے ذریعے سب کچھ چھین لیتے ہیں۔ لہذا متعلقہ ذمہ داروں سے عوام کا مطالبہ ہے کہ صرف لفظوں کی حد تک نہیں بلکہ ترجیحی بنیادوں پر عملی اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے تا کہ مہنگائی کے چکی، بیروزگاری میں پیسے اور آمن کو ترستے ہوئے عوام سکھ کی زندگی بسر کر سکیں۔

(محمد صدیق)

سوشل میڈیا پوسٹ پر پولیس افسر نے مبینہ طور پرشہری کوقتل کر دیا

لکی مروت لکی سٹی پولیس چوکی کے انچارج آفیسر اے ایس آئی نے اپنے خلاف سوشل میڈیا پوسٹ پر مشتعل ہوکرایک شہری کوقتل کر دیا۔حنیف شاہ سکنہ آبا خیل نیایف آئی آر درج کراتے ہوئیلکی مروت پولیس کو بتایا کہ وہ اپنے والدعالمین شاہ اور ہارون رشید کیہمراہ دلوخیل میں جوہرمحمد خان ضلعی صدر پاکستان تحریک انصاف کی بیٹھک میں بیٹھا تھا کہ اس دوران پولیس وردی میں ملبوس اے ایس آئی نوید نوازاوران کیبھائی عمرگل اندر داخل ہوئے۔نوید نواز نے کلاشنکوف سے اس کے والدعالمین شاہ پرفائرنگ کی جس سےوہ زخمی ہوکرگر پڑے جبکہ عمرگل نیوقوعہ کیدوران ان پراور ہارون رشید پر کلاشنکوف تانیرکھی۔ مدعی نے پولیس کو بتایا کہ ان کے زخمی والدہسپتال جاتے ہوئے راستے میں دم توڑ گیا۔انہوں نے کہا کہ وقوعہ سے کچھ دیر قبل ان کے والدنے اپنے فیس بک اکاؤنٹ پرملزم اے ایس آئی کیخلاف خوبرولڑکوں کوتنگ اور بلیک میل کرنے کی پوسٹ کی تھی۔ پولیس کا کہنا ہے کہ لاش پوسٹ مارٹم کے بعد ورثا کے حوالے کردی گئی جبکہ دونوں ملزموں کیخلاف مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کردی گئی۔

(ظاہرشاہ)

معذوری سے متاثر نوجوانوں کا احتجاج

حیدرآباد 5اکتوبر، 2021 کوکوٹری کے علاقے بھٹائی کالونی کے رہائشی تعلیم یافتہ معذوری سے متاثر بے روزگارنوجوانوں نے معذورکوٹہ کے تحت نوکریاں نہ ملنےاور ایک معذوری سے متاثرنوجوان کی تنخواہیں بندکر کے جبری نوکری سے بے دخل کئے جانے کے خلاف حیدرآباد پریس کلب کے سامنے پیر احتجاجی مظاہرہ کیا۔ مظاہرین میں ساجدعلی کوریجو،عبدالستارسولنگی، راشدسولنگی، اورساجد حسین سولنگی سمیت دیگرمعذوری سے متاثرنوجوانوں شامل تھے۔ اس موقع پرانہوں نے ایچ آرسی پی کےکوآرڈینیٹرکو بتایا کہ انہوں نے غربت اورمعذوری کے باجودانٹرتک تعلیم حاصل کی ہےلیکن اس کے باوجودسندھ حکومت معذورکوٹہ کے تحت انہیں نوکریاں نہ دے کران کے ساتھ ناانصافی کررہی ہے۔ نوکریاں نہ ملنے کے سبب وہ سخت پریشانی سے دوچار ہیں اور فاقہ کشی جیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اس موقع پر نوجوان ساجد حسین کوریجو نے بتایا کہ سال 2004ء میں مجھے محکمہ تعلیم دادو کے تعلقہ کےاین شاہ میں معذورکوٹہ کے تحت نوکری ملی تھی اور پانچ سال 5 مہینے ڈیوٹی کرنے کے باوجود مجھے تنخواہ ادانہیں کی گئی۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

قتل ہونے والی روشنا محبوب راجپر کے قاتلوں کی عدم گرفتاری کے خلاف احتجاجی مظاہر

نوشہروفیروز رانی پور میں بے دردی سے،قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ۔ رانی پور کے گاؤں موسیٰ راجپر میں کچھ روز قبل بے دردی سے قتل ہونے والی مسمات روشنا محبوب راجپر کے اصل قاتلوں کی عدم گرفتاری کے خلاف پڑعیدن میں مختلف سیاسی سماجی شہری وفلاحی تنظیموں کے رہنماؤں امتیازعلی راجپر ،ڈاکٹر طالب راجپر ،آزادابراہیم راجپر ،انصاف راجپر ،جنیدعلی راجپر ،امدادعلی کلہوڑو،نویداجن،غلام مرتضیٰ ڈیپر،یاسین خاصخیلی ،بدر سندھی،دعدنان سومرو،ممتاز راجپر سمیت دیگر نے نصرت کینال پل سے ریلوے پھاٹک تک احتجاجی مظاہرہ کیا اور ریلی نکالی مظاہرین نے میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے الزام عائدکیا کہ رانپورکے گاؤں موسیٰ راجپر میں بے دردی سے قتل ہونے والی مسمات روشنامحبوب راجپر قتل کیس میں پولیس نے فرضی تفتیش کر کے مقتولہ کے بیٹےکوگرفتارکر کے تشددکا نشانہ بنایا جبکہ اصل قاتل پہلے ہی ضمانت کراکرآزادگھم رہے ہیں انہوں نے کہا کہ واقع کی شدیدالفاظ میں مزمت کرتے ہیں،اورحکومت سندھ،آئی جی سندھ،ڈی آئی جی سکھر سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اصل قاتلوں کوفوری طورپر گرفتارکر کے واقعہ کی شفاف انکوائری کی جائے اورورثہ کو انصاف فراہم کیا جائے۔

(الطاف حسین قاسمی)

ضلعی انتظامیہ کے سربراہ کے لیے دفتر کا قیام عمل میں لایا جائے

نوشکی ایک سوسال گزرنے کے باوجودبھی نوشکی میں ضلعی انتظامیہ کے سربراہ کے لیےآفس کا قیام عمل میں نہ لانا سوالیہ نشان ہے۔14 جولائی 1906 کوڈسٹرکٹ چاغی کا قیام عمل میں لایا گیا۔مسٹر برے(Bray) چاغی کے پہلے پولیٹکل ایجنٹ مقرر ہوئے۔اس وقت تک 88 پولیٹکل ایجنٹ 15 , ڈسٹرکٹ کوارڈینیشن آفیسرز اور 13 ڈپٹی کمشنراپنے فرائض سرانجام دے چکے ہیں 2اپریل 2004 میں چاغی ڈسٹرکٹ کوزیادہ رقبہ کی بنیاد بنا کر دواضلاع میں تقسیم کردیا گیا لیکن نوشکی ڈسٹرکٹ کے ساتھ زیادتی کی گئی۔44ہزارمربع میل چاغی کے حصے میں جبکہ 5797 مربع میل رقبہ نوشکی ڈسٹرکٹ کے حصے میں آیا۔زیادہ رقبےکو بنیاد بنا کر چاغی کواس طرح سے دواضلاع میں تقسیم کا فارمولہ کہاں کا انصاف ہے؟اب بھی چاغی رقبے کے اعتبار سے پاکستان کا سب سے بڑا ضلع کہلاتا ہے۔نوشکی میں 116 سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجودبھی ضلعی انتظامیہ کےسربراہ کے لیے دفتر کا قیام عمل میں نہیں لایا گیا ہے۔ اضلاع کی تقسیم کے چارسال بعد چاغی ڈسٹرکٹ کے ہیڈکوارٹر دالبندین میں ضلعی سیکرٹریٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔نوشکی ڈسٹرکٹ ایک تحصیل اورتھانے پر مشتمل ہے۔نوشکی میں ضلعی سیکرٹریٹ نہ ہونے کی وجہ سے جہاں ضلعی دفاتر کی کارکردگی متاثر ہورہی ہے وہیں نوشکی کے عوام کودفتری امور کے سلسلے میں کئی مشکلات اوروقت کے ضیاع سے دوچار ہونا پڑتا ہیں نوشکی میں ضلعی سیکرٹریٹ کے قیام سے اداروں کی باہمی کوارڈینیشن کی وجہ سےاداروں کی کارکردگی میں بہتری اورشہریوں کوبھی بہترسہولیات میسر ہونگی۔اس لیے شہریوں کوبہترسہولیات اوراداروں میں باہمی کوارڈینیشن کو مدنظر رکھتے ہوئے اسٹنٹ کمشنر کے کھنڈرات نما دفاتر اورقریبی خستہ حال سرکاری کوارٹرزکومسمار کر کے جدید سہولتوں سے آراستہ ضلعی سیکرٹریٹ کا قیام عمل میں لانے کے لیے درکارفوری اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔اس وقت ڈپٹی کمشنراسٹنٹ کمشنر کے دفاتر لوکل گورنمنٹ کے بلڈنگ میں واقع ہیں جسکی وجہ سےلوکل گورنمنٹ کے ملازمین کوبھی دفاتر کی کمی کے باعث مشکلات پیش آرہی ہیں۔ مذکورہ جگہ ضلعی سیکرٹریٹ کے لیے انتہائی اہم جگہ ہے جوشہر کے وسط میں واقع ہے۔سیکورٹی کے اعتبار سے بھی موزوں ہے۔صوبائی حکومت اورمنتخب عوامی نمائندے ضلعی سیکرٹریٹ کی تعمیر کے لیے اپنا کردار ادا کرتے ہوئے ترجیحی بنیادوں پر منصوبہ بندی کر کے اس فلاحی اورعوامی منصوبےکوعملی جامہ پہنائیں۔تفصیلات کے مطابق لنڈی کوتل پاک افغان شاہراہ طورخم روڈ پرافغانستان جانے والے مال بردار گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگ گئی ہیں جس کے باعث ٹرانسپورٹرزکوشدیدمشکلات کا سامنا ہےطورخم کسٹم حکام کے مطابق گاڑیوں کلئیرنس کا سلسلہ جاری ہیں . اورطورخم بارڈر پر مال بردارگاڑیوں کی جگہ کم ہونے باعث پاک افغان شاہراہ پر مال بردارگاڑیاں پھنس گئے ہیں لنڈی کوتل پاک افغان شاہراہ پرافغانستان جانے والے مال بردارگاڑیوں کے ڈرائیورز اورٹرانسپورٹرز نے کسٹم کے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا کہ افغانستان جانے والے مال بردارگاڑیوں کی کلئیرنس تیز کیا جائے تا کہ ٹرانسپورٹروں کے مشکلات میں کمی آجائے اوردوطرفہ تجارت مزیدبہتر ہوسکے۔

(محمدسعید)

طالبعلم میٹرک کے بعد تعلیم حاصل کرنے سے محروم

تیراہ میدان میں نے دسویں جماعت تو پاس کر لی مگر ہمارے پورے علاقے میں ایک بھی کالج نہیں کہ جس میں گیارہویں جماعت میں داخلہ لے کر اپنی پڑھائی جاری رکھ سکوں، میں ضلع خیبر کے تحصیل باڑہ کے پہاڑی علاقہ تیراہ میدان سے تعلق رکھتا ہوں تاہم باڑہ بازار اور ملحقہ ضلع پشاور میں سرکاری اور پرائیوٹ کالجز ہیں مگر ہمارے علاقے تیراہ میدان سے ایک سو کلومیٹر سے زیادہ مسافت کے بعد ہی کالجز ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میں میڈکل کر کے اپنے پسماندہ علاقے کے متاثرہ عوام کی خدمت کر سکوں، تیراہ میدان سے تعلق رکھنے والے حمزاللہ نے بات کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے تحصیل باڑہ کے دورآفتادہ پہاڑی علاقہ میں حفنیہ ماڈل سکول پیر میلہ ذخہ خیل سے دسویں جماعت میں 812 نمبرز لیے ہیں مگر تیراہ میدان میں کالج نہ ہونے کی وجہ سے مزید تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہیں۔حمزاللہ نے اپنی مالی حالت کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا کہ ہماری مالی حالت بہت کمزور ہے جس کی وجہ سے باڑہ اور ضلع پشاور میں داخلہ لینے اور اپنی تعلیم جاری رکھنے سے قاصر ہوں۔قبیلہ ذخہ خیل سے تعلق رکھنے والے عبداللہ نے بھی امسال 824 نمبرز لے کر میٹرک پاس کیا ہے، وہ بھی یہی چاہتا ہے کہ مزید تعلیم حاصل کرے اور میڈیکل پڑھ کر ڈاکٹر بنے اور اپنے پسماندہ علاقے کی عوام کی خدمت کر سکے۔عبداللہ کے والد ولایت خان کے مطابق وہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اور تیراہ میدان میں پچھلے امن وامان کی غیر یقینی صورتحال کی وجہ سے مالی حالات بہت خراب ہے۔اپنے بیٹے کو ضلع پشاور میں کسی سرکاری یا نجی کالج میں داخل کرا سکے جبکہ تیراہ میدان میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے مواقع موجود نہیں۔ان کے والد چاہتے ہیں کہ عبداللہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکے اور ڈاکٹر بن کر اپنے خاندان اور علاقے کے لوگوں کے کام آ سکے۔تیراہ میدان سے تعلق رکھنے والے حنفیہ ماڈل سکول پیر میلہ کے ڈائریکٹر رحمت گل نے بتایا کہ اُن کے سکول سے امسال مجموعی طور پر تک 72 طلبا نے دسویں کا امتحان پاس کیا ہے۔ان 72 طلبا میں ابھی تک میرے علم کے مطابق گیارہوں جماعت میں داخلہ کیلئے صرف ایک طالب علم آیان اللہ ولد یار محمد نے کاغذات جمع کئے ہیں کیونکہ وہ مزید تعلیم کیلئے ضلع پشاور منتقل ہو چکا ہے جس کی مالی حالت کچھ بہتر تھی، دیگر طلبا میں بمشکل تین یا چار تک طلباً گیارہویں جماعت میں ریگولر بنیاد پر داخلہ لے سکیں گے۔تیراہ میدان میں مجموعی طور پر تین یا چار پرائیوٹ سکولز ہونگے جس میں میٹرک کلاس تک طلبا زیر تعلیم ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ تیراہ میدان میں ورسک شلوبر میں فرنٹیئر کور کی مدد سے سرکاری سکول میں دسویں جماعت کیطلباً تعلیم حاصل کرتے ہیں۔اس سال تیراہ میدان میں تقریباً172 تک طلبا دسویں جماعت پاس کر کے گیارہویں کیلئے اہل ہو چکے ہیں۔رحمت گل کیمطابق تیراہ میدان کے ان تمام طلباً میں بیس سے بھی کم طلباً مزید تعلیم جاری رکھ سکیں گے۔وہ بھی اپنے علاقے میں نہیں بلکہ وہ یہاں سے ہجرت کرنے کے بعد ہی اس اہل ہوں گے کہ تعلیم حاصل کر سکیں کیونکہ یہاں انکے لیے آگے پڑھنے کیلئے کوئی ادارہ موجود نہیں۔تیراہ میدان میں تعلیمی سہولیات کی قلت پر سماجی کارکن اور تیراہ تاجر یونین کیصدر شیر محمد آفریدی نے بتایا کہ تیراہ میدان میں دوسری سہولیات کی کمی کی طرح یہاں پر تعلیمی سہولیات کا بھی بہت فقدان ہے اور ایسے حالات میں پرائمری سطح کے طلباً بھی تعلیم چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے۔شیر محمد آفریدی کا کہنا ہے کہ تیراہ میں دہشت گردی کے خلاف فوسز نے اپریشن کر کے بہت سے علاقے کلیئر کر کے حکومت کی عملداری قائم ہو چکی ہے اور قبائلی اضلاع کو خیبر پختونخوا میں ضم تو کر لیا گیا مگر اس موقع پر کئے گئے وعدے تا حال مکمل نہ ہو سکے۔خیبر یونین پاکستان کے مرکزی سیکرٹری جنرل زاہداللہ آفریدی نے بات کرتے ہوئے کہا کہ تیراہ میدان میں امن وآمان کی صورتحال ٹھیک ہونیکے بعد آفریدی قوم کے کئی قبیلوں کی واپسی ہو چکی ہے۔تیراہ میں قبیلہ برقمبر خیل، قبیلہ شلوبر، ملک دین خیل، ذخہ خیل، کمر خیل، اکاخیل اور قبیلہ آدم خیل کے قبائل آباد ہیں مگر اب تک حکومت کی جانب سے ایک بھی کالج نہیں بنا۔

(مسعود شاہ)

بچیاں تعلیم سے محروم

خیبر ضلع خیبر تحصیل ملاگوری گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول حارث میر کلے میں تدریسی عملہ نہ ہونے سے ادارہ گزشتہ 16 سال سے بند پڑا ہے۔اس حوالے سے بات کرتے ہوئے ملاگوری کے علاقہ شیر برج حارث میر کلے کے رہائشی محمد جنید نے بتایا کہ 2005ء میں عوامی مطالبہ پر اس وقت کے ایم این اے نورالحق قادری کے فنڈز سے تعمیر شدہ گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول حارث میر کلے شیر برج کو 16 سال کی طویل مدت گزرنے کے باوجود بھی تدریسی عملہ نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے علاقے کی سینکڑوں بچیاں زیور تعلیم سے محروم ہیں۔انہوں نے کہا کہ گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول کی مکمل فائل غائب کرانے پر سابقہ اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر (پی اینڈ ڈی) شندی گل آفریدی کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے۔علاقے کے مشران نے وزیراعظم عمران خان، وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا محمود خان، وزیر تعلیم اور وفاقی وزیر برائے مذہبی اُمور نورالحق قادری سے مطالبہ کیا کہ گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول حارث میر کلے شیر برج ملاگوری کو جلد از جلد تدریسی عملہ دیا جائے اور اس میں حائل رکاوٹوں کو دور کیا جائے تاکہ علاقے کی بچیاں پڑھ لکھ سکیں۔

(مسعود شاہ)

اغوا کے بعد جنسی زیادتی کا الزام

عمرکوٹ کنری شہری کی رہائشی نوجوان لڑکی کملا میگھواڑ نے اپنے والد پربھو، بھائی اشوک اور دیگر افراد کے ہمراہ 19 ستمبر کو احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ لگ بھگ اڑھائی ماہ قبل بااثر وڈیروں غلام رسول سولنگی، رسول بخش، اللہ بخش نے ان کے گھر پر حملہ کر کے اسے اغوا کر لیا اور مختلف مقامات پر قید رکھا۔کوئی ایک ہفتہ قبل اسے حیدرآباد کے علاقے عبداللہ گارڈن میں رکھا گیا جہاں سے وہ کسی طرح موقع پا کر فرار ہو کر اپنے گھر پہنچی۔متاثرہ لڑکی نے واقعے میں ملوث تمام ملزمان کے خلاف کاروائی کا مطالبہ کیا ہے۔ (اوکھومنروپ)

خاتون کی نعش برآمد

اوکاڑہ 16 اکتوبر کو حجرہ شاہ مقیم کی آبادی کوٹ امین شاہ کے قریب فصلوں سے 50 سالہ نامعلوم خاتون کی سرکٹی برہنہ لاش برآمد ہوئی ہے۔مقامی علاقہ مکینوں نے مقامی پولیس کو اطلاع دی جس پر مقامی پولیس نے لاش کو قبضہ میں لے کر پوسٹ مارٹم کے لیے ہسپتال منتقل کر دیا ہے لاش کی تا حال شناخت نہیں ہو سکی۔

(اصغر حسین حماد)

بیوی اور بیٹی کو بازیاب کروایا جائے

عمرکوٹ تحصیل کنری کے علاقے چیل بند کی جوگی کالونی کے رہائشی ٹیکم جوگی نے بتایا کہ لگ بھگ دو ہفتے قبل اس کی بیوی دیپا اور 13 سالہ بیٹی پریمی کو ملزمان کیپری نے اپنے ایک نامعلوم ساتھی کے ہمراہ اغواء کر لیا تھا۔انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ ملزمان ان کی بیوی اور بیٹی کا زبردستی مذہب تبدیل کروا سکتے ہیں۔انہوں نے مزید بتایا کہ پولیس اسٹیشن میں واقعے کی رپورٹ بھی درج کروائی گئی تھی مگر تا حال پولیس نے کسی قسم کی کاروائی نہیں کی۔ٹیکو جوگی نے مطالبہ کیا کہ اس کی مغوی بیوی اور بیٹی کو فوری طور پر بحفاظت بازیاب کر کے مجرموں کے خلاف کارروائی کی جائے۔

(اوکھومنروپ)

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:								
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال				مہینہ		تاریخ	
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں				محلّہ			
	ڈاک خانہ				تحصیل وضلع			
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں				نہیں			
5-وقوعہ کیسے ہوا؟(مختصر تفصیل)								
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل								
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام		ولد/زوجہ		پیشہ			

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			
10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت		بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				
رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع	

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کر کے بھیجیں

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

15 اکتوبر 2021

سالانہ عمومی اجلاس 2021 (نوٹس ترمیم شدہ)

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کا سالانہ عمومی اجلاس (اے جی ایم) 13 نومبر 2021 بروز ہفتہ دراب پٹیل آڈیٹوریم، 107 ٹیپو بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں منعقد ہوگا۔ تمام وہ اراکین جن کے واجبات ادا ہو چکے ہیں، اجلاس میں شرکت کے حقدار ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو سکا، سیکریٹریٹ کووِیڈ 19 سے متعلق تمام قواعد وضوابط کی پاسداری کرے گا اور سماجی فاصلہ یقینی بنائے گا۔

اراکین اے جی ایم میں شرکت اپنے ذاتی خرچ پر کرتے ہیں۔ دفتر بیرون شہر سے آنے والے اراکین کو رہائش فراہم کرنے میں مدد فراہم کرے گا، بشرطیکہ وہ محترم محمد الیاس کو 5 نومبر 2021 تک رہائش کی قسم اور دورانیے کے بارے میں آگاہ کر دیں۔

براہ کرم نوٹ کر لیں کہ تمام اراکین اپنے واجبات جنوری 2021 تک ادا کرنے کے پابند تھے۔ اگر آپ نے ابھی تک اپنے واجبات ادا نہیں کیے تو براہ کرم جلد از جلد ادا کر لیں تا کہ آپ اے جی ایم میں شریک ہو سکیں۔

وہ اراکین جو کمیشن کے ضمنی قوانین میں ترامیم چاہتے ہیں اپنی تجاویز اس نوٹس کے موصول ہونے کے بعد جتنی جلدی ممکن ہو سکے بذریعہ ڈاک یا ای میل سیکریٹریٹ بھیج دیں تا کہ جنرل باڈی کو بروقت مطلع کیا جا سکے۔

ایجنڈا: ہفتہ 13 نومبر 2021

رجسٹریشن/ریفریشمنٹ	09:00-09:30
ایجنڈے اور گزشتہ اے جی ایم کی کارروائی کی منظوری	09:30-09:45
سیکرٹری جنرل کی رپورٹ	09:45-10:15
انسانی حقوق کی صورت حال پر وائس چیرز کی رپورٹس بلوچستان، گلگت۔بلتستان، اسلام آباد، خیبر پختونخوا، پنجاب (لاہور اور ملتان) اور سندھ (کراچی اور حیدرآباد)	10:15-11:45
فلم کی اسکریننگ	11:45-12:15
خزانچی کی رپورٹ	12:15-12:30
2020 کی آڈٹ رپورٹ اور آڈیٹرز کی تعیناتی	12:30-12:45
ضمنی قوانین میں ترامیم	12:45-13:00
دوپہر کا کھانا	13:00-14:00
عمومی بحث/اے جی ایم کے بیان کے لیے اراکین کی تجاویز	14:00-14:45
چیئرپرسن کا خطاب	14:45-15:00
سیمینار	15:00-16:30
فلم کی اسکریننگ	16:30-16:45
اے جی ایم کا بیان	16:45-17:00

ہم آپ کی شرکت کے متمنی ہیں

Hina Jilani

حنا جیلانی

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

اظہارِ لاتعلقی: براہِ مہربانی نوٹ کر لیں کہ فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) کا جہدِ حق کے متن سے مُتفق ہونا ضروری نہیں۔ لہٰذا، جہدِ حق میں شامل مواد و خیالات کی ذِمہ داری کسی طور پر بھی ایف این ایف پر عائد نہیں کی جا سکتی۔

اظہارِ تشکّر: جہدِ حق کی اشاعت کے لیے فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) نے مالی معاونت کی ہے جس کے لیے ایچ آر سی پی، ایف این ایف کا انتہائی مشکور ہے۔